

وَلَقَدْ نَتَنَزَّلَ فِي الْقُرْآنِ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْكُمْ كَيْدًا

تَلَوْنَاهُ بِالْأَعْيُنِ وَالْأَلْسِنِ  
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَنَانِ

المعروف

(أرؤو)

تفسير السعدی

فی شرح عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

WWW.IRCPK.COM

# دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ  
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور  
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سوئی عرب

فون: 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 انٹرن فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - اے - او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalamapk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَلَقَدْ لَبِثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَذَا مِنْكُمْ

# تیسیر الکرم الرحمن

فی تفسیر کلام المثنان  
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر تیرہ 13

مفسر قرآن: فضیل بن عبد الرحمن بن ناصر السعیدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبد الرحمن بن محمد اللہ بن علی

ترجمہ تفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف



دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



## فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ

يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور رسول (ﷺ) فرمیں گے:

”اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔“

(الفرقان: ۲۵/۳۰)

## فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ

بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُخَيِّرُ بَيْنَهُمُ الْآخِرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں

عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)



## پارۂ نمبر تیرہ 13

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۱۲	سورة يوسف (جاری)	1264	۱۳ - ۱۳
۱۳	سورة الرعد	1303	۱۳
۱۴	سورة إبراهيم	1334	۱۳
۱۵	سورة الحجر	1362	۱۳ - ۱۳

**وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي**

اور میں بری کرتا میں اپنے نفس کو، بے شک نفس تو یقیناً بہت حکم دینے والا ہے برائی ہی کا مگر جس پر رحم کرے میرا رب بے شک میرا رب

**غَفُورٌ رَحِيمٌ ۵۴** وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصُهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا

بہت بخشے والا نہایت مہربان ہے اور کہا بادشاہ نے لاؤ تم میرے پاس اسکو، خالص کروں گا میں اسے واسطے اپنی ذات کے، پھر جب

**كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۵۵** قَالَ اجْعَلْنِي

بادشاہ نے بات چیت کی یوسف سے تو کہا، بے شک تو آج ہمارے ہاں مرتبے والا، امین ہے اور یوسف نے کہا، بنادے مجھے

**عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ ۵۶** وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ

خزانوں (پیداوار) پر زمین کے (نگران)، بے شک میں نہایت نگہبانی کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں اور اسی طرح اقتدار دیا ہم نے یوسف کو

**فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ**

زمین (مصر) میں، جگہ پکڑتا تھا اس (ملک) میں جہاں چاہتا، ہم پہنچاتے ہیں رحمت اپنی جسے چاہیں اور نہیں ضائع کرتے ہم

**أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۵۷** وَلَا جُرْ الْأُخْرَىٰ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۵۸

اجر نیکی کرنے والوں کا اور یقیناً اجر آخرت کا بہت بہتر ہے واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور رہے وہ ڈرتے

چونکہ اس کلام میں عورت کے اپنے لئے تزکیہ کے دعوے کا شائبہ پایا جاتا ہے اور یہ دعویٰ بھی پایا جاتا ہے کہ

یوسف علیہ السلام کے معاملے میں اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا۔ اس لئے عورت نے استدراک کے طور پر کہا: **وَمَا**

**أُبْرِئُ نَفْسِي** ”اور میں اپنے تئیں پاک صاف نہیں کہتی۔“ یعنی میں نے یوسف کو پھسلانے اس کے ساتھ برائی

کے ارادے اور اس کی شدید حرص اور اس کے بارے میں سازش کرنے میں اپنے آپ کو بری قرار نہیں دیتی۔

**إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ** ”کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) برائی ہی سکھاتا رہتا ہے۔“ یعنی نفس انسان کو بہت

کثرت سے برائی، یعنی بے حیائی اور دیگر تمام گناہوں کا حکم دیتا ہے۔ نفس شیطان کی سواری ہے اور شیطان نفس

کے راستے سے انسان میں داخل ہوتا ہے۔ **إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي** ”سوائے اس شخص کے جس پر میرا رب رحم کر دے“

اور اسے اس کے نفس امارہ سے نجات دے دے اور اس طرح اس کا نفس امارہ نفس مطمئنہ میں بدل جائے۔ ہلاکت

کے داعی کی نافرمانی کر کے ہدایت کے داعی کی آواز پر لبیک کہے۔ اس میں نفس کا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ اللہ کا اپنے

بندے پر بے انتہا فضل و کرم اور اس کی بے پایاں رحمت ہے۔ **إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ** ”بے شک میرا رب بخشنے

والا“ جب کوئی گناہ اور معاصی کے ارتکاب کی جرأت کرنے کے بعد توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آتا ہے تو

اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ **رَحِيمٌ** ”رحم کرنے والا ہے۔“ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے اور اسے نیک

اعمال کی توفیق عطا کر کے اس پر رحم کرتا ہے۔ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں قرین صواب یہی ہے کہ یہ عزیز مصر کی

بیوی کا قول ہے یوسف علیہ السلام کا نہیں، کیونکہ یہ بات عورت کے کلام کے سیاق میں آئی ہے اور یوسف علیہ السلام تو اس وقت قید میں تھے۔

جب بادشاہ اور لوگوں کے پاس یوسف علیہ السلام کی کامل براءت متحقق ہوگئی، تو بادشاہ نے ان کو بلا بھیجا اور کہا: ﴿اَتْتُونِي بِهٖ اَسْتَخْلِصُهَا لِنَفْسِي﴾ ”اے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا مصاحب خاص بناؤں گا۔“ یعنی میں اس کو مقرر بن خاص میں شامل کروں گا اسے میرے پاس نہایت عزت و احترام سے لے کر آؤ۔ ﴿فَلَبَّثَا كَلِمَةً﴾ ”پس جب اس نے ان سے گفتگو کی“ یعنی جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے گفتگو کی تو اسے ان کی باتیں اچھی لگیں اور اس کے ہاں ان کی وقعت اور زیادہ ہوگئی، تو اس نے یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا﴾ ”بے شک آپ آج ہمارے ہاں“ ﴿مَكِيْنٌ اٰمِيْنٌ﴾ ”صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہیں۔“ یعنی آپ ہمارے ہاں بلند مرتبہ کے مالک اور ہمارے رازوں کے امین ہیں۔

﴿قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے مصلحت عامہ کی خاطر بادشاہ سے مطالبہ کیا۔ ﴿اجْعَلْنِي عَلٰی خَزَاۤئِنِ الْاَرْضِ﴾ ”مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے۔“ یعنی مجھے زمین کی پیداوار اس کے محاصل کا نگران، محافظ اور منتظم مقرر کر دیں ﴿اِنِّي حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ﴾ ”کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف بھی ہوں۔“ یعنی جس چیز کا آپ مجھے نگران بنائیں گے میں اس کی حفاظت کروں گا اس میں سے کچھ بھی بے محل استعمال ہو کر ضائع نہیں ہوگی، میں ان محاصل کے داخل خارج کو منضبط کر سکتا ہوں میں ان کے انتظام کی کیفیت کا پورا علم رکھتا ہوں۔ میں یہ بھی خوب جانتا ہوں کہ کسے عطا کرنا ہے کسے محروم رکھنا ہے اور ان میں تصرفات کی پوری طرح دیکھ بھال کر سکتا ہوں۔ یوسف علیہ السلام کی طرف سے اس عہدے کا مطالبہ عہدے کی حرص کی وجہ سے نہ تھا بلکہ نفع عام میں رغبت کی وجہ سے تھا۔ یوسف علیہ السلام اپنے بارے میں اپنی کفایت اور حفظ و امانت کے متعلق جو کچھ جانتے تھے وہ لوگ نہیں جانتے تھے۔ بنا بریں یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں زمین کے محاصل کے خزانوں کے انتظام پر مقرر کر دے۔ چنانچہ بادشاہ نے انہیں زمین کے محاصل کے خزانوں کا والی اور منتظم مقرر کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ ”اور اسی طرح“ یعنی ان مذکورہ اسباب اور مقدمات کے ذریعے سے ﴿مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَّبِعُوْا اَمْرًا حَيْثُ يَشَآءُ﴾ ”ہم نے یوسف کو جگہ دی اس ملک میں وہ اس میں جہاں چاہتے جگہ پکڑتے وہ نہایت آسودہ زندگی بے شمار نعمتوں اور بے پناہ جاہ و جلال میں رہنے لگے۔ ﴿ثُمَّ اَنْصَبْنَا مِنْ نَّشَآءٍ﴾ ”ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں“ یوسف علیہ السلام پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی جو اس نے ان کے لیے مقدر کر رکھی تھی جو صرف دنیاوی نعمتوں پر ہی مشتمل نہ تھی۔

﴿وَلَا تُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ”اور ہم محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتے“ اور یوسف علیہ السلام کا شمار تو سادات



محسنین میں ہوتا ہے۔ ان کے لیے دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت میں بھی بھلائی ہے۔ اس لئے فرمایا:

﴿وَلَا جَزَاءَ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ﴾ ”آخرت کا اجر (دنیا کے اجر سے) بہتر ہے“ ﴿لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ ”ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے“، یعنی جن لوگوں میں تقویٰ اور ایمان جمع ہے۔ پس تقویٰ کے ذریعے سے حرام امور یعنی کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو ترک کیا جاتا ہے اور ایمان کامل کے ذریعے سے ان امور میں تصدیق قلب حاصل ہوتی ہے جن امور کی تصدیق کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور فرض و مستحب اعمال قلوب اور اعمال جوارح تصدیق قلب کی پیروی کرتے ہیں۔

وَجَاءَ اِخْوَتُهُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُوْنَ ۝۵۸

اور آئے بھائی یوسف کے تو وہ داخل ہوئے اس پر پس اس نے پہچان لیا ان کو جبکہ وہ (بھائی) اسے پہچاننے والے نہ تھے

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ اِنتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اٰيِكُمْ اَلَا تَرَوْنَ

اور جب تیار کر دیا یوسف نے انکے لیے سامان ان کا تو کہا تم لا تا میرے پاس بھائی اپنا جو تمہارے باپ کی طرف سے ہے، کیا نہیں دیکھتے تم

اِنِّیْٓ اَوْفٰی الْکَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝۵۹

کہ بے شک میں پورا دیتا ہوں ماپ؟ اور میں بہترین مہمان نوازی کرنے والا ہوں ○ پس اگر نہ لائے تم میرے پاس اسکو تو نہیں کوئی ماپ (غلہ)

لَّكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرُبُوْنَ ۝۶۰

تمہارے لیے میرے پاس، اور نہ تم قریب آ تا میرے ○ انہوں نے کہا ضرور مطالبہ کریں گے ہم اسکا اسکے باپ سے، اور بے شک ہم

لَفَعِلُوْنَ ۝۶۱

یہ کام ضرور کرنے والے ہیں ○ اور یوسف نے کہا اپنے جوانوں (خادموں) سے، رکھ دو تم پونجی (نقدی) انکی انکے سامان میں، تاکہ وہ

يَعْرِفُوْنَهَا اِذَا اُنْقَلَبُوْا اِلٰی اٰهْلِهِمْ لَعَلَّہُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝۶۲

پہچان لیں اسے جب وہ لوٹ کر جائیں طرف اپنے گھر والوں کی شاید کہ وہ پھر لوٹ آئیں ○ پس جب لوٹے وہ

اِلٰی اٰبِیْہِمۡ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْکَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَا اَخَانَا

طرف اپنے باپ کی تو انہوں نے کہا اے ہمارے باپ! روکا گیا ہے ہم سے (آئندہ) ماپ (غلہ) پس تو بھیج ہمارے ساتھ ہمارا بھائی (بنیامین تاکہ)

نَکْتُلْ وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ۝۶۳

غلہ لائیں ہم اور بے شک ہم اسکی ضرور حفاظت کرنے والے ہیں ○ یعقوب نے کہا، نہیں امین سمجھتا میں تمہیں اس پر مگر جیسا کہ

اٰمَنْتُکُمْ عَلٰی اَخِیْہِ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَللّٰهُ خَيْرُ حٰفِظًا ۚ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِیْمِْنَ ۝۶۴

امین سمجھا تھا میں نے تمہیں اوپر اسکے بھائی کے، اس سے پہلے، پس اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہی سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ○

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَیْہِمۡ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا

اور جب کھولا انہوں نے سامان اپنا تو پائی انہوں نے پونجی اپنی کہ واپس کر دی گئی ہے طرف انکی انہوں نے کہا اے ہمارے باپ!



مَا تَبَغَّىٰ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ  
 (اور) کیا چاہتے ہیں ہم؟ یہ ہماری پونجی ہے واپس کر دی گئی ہے ہماری طرف، اور ہم غلہ لائیں گے اپنے اہل و عیال کے لیے، اور حفاظت کریں گے  
 أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلُ بَعِيرٍ ذَلِكُ كَيْلُ يَسِيرٍ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ  
 اپنے بھائی کی، اور ہم زیادہ لائیں گے ماپ (غلہ) ایک اوٹ کا یہ ماپ (غلہ) اتنا تو بہت آسان ہے ○ یعقوب نے کہا، ہرگز نہیں سمجھوں گا میں اسے تمہارے ساتھ  
 حَتَّىٰ تَوْتُونَ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتِنَنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَبَّآ  
 یہاں تک کہ تم دو مجھے پختہ وعدہ اللہ کا کہ تم ضرور لاؤ گے میرے پاس اسے مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم (سب)، پھر جب  
 اتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا  
 انہوں نے دیا اسکو اپنا پختہ وعدہ تو اسے کہا، اللہ اوپر اس کے جو ہم کہتے ہیں نگہبان ہے ○ اور یعقوب نے کہا، اے میرے بیٹو! امت داخل ہونا تم  
 مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ  
 ایک ہی دروازے سے اور داخل ہونا تم متفرق دروازوں سے، اور نہیں کفایت کر سکتا میں تم سے اللہ (کے فیصلے) سے  
 مِنْ شَيْءٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ  
 کچھ نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کا، اوپر اسی کے بھروسہ کیا ہے میں نے، اور اوپر اسی کے پس چاہیے کہ بھروسہ کریں  
 الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَبَّآ دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي  
 بھروسہ کرنے والے ○ اور جب داخل ہوئے وہ جہاں سے حکم دیا تھا انہیں انکے باپ نے نہیں تھا وہ (یعقوب) کفایت (دفع) کر سکتا  
 عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ  
 ان سے اللہ (کے فیصلے) سے کچھ بھی، مگر ایک حاجت (تمنا) تھی دل میں یعقوب کے کہ اس نے پورا کیا اسے، اور بے شک وہ  
 لَدُوْهُ عِلْمٌ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾  
 البتہ صاحب علم تھا بوجہ اس کے جو سکھایا تھا ہم نے اسے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ○

جب یوسف علیہ السلام زمین کے محاصل کے ذخیرہ کے منتظم بن گئے تو انہوں نے بہترین طریقے سے ان کا  
 انتظام کیا۔ انہوں نے شادابی کے سالوں میں مصر کی تمام قابل کاشت زمین میں غلہ کاشت کر دیا اور اس غلہ کو ذخیرہ  
 کرنے کے لیے بڑے بڑے مکانات بنوائے۔ خراج اور لگان میں بہت سا غلہ جمع کیا، اس کی حفاظت کی اور اس کا  
 بہترین انتظام کیا۔ جب قحط سالی شروع ہوئی اور قحط تمام علاقوں میں پھیل گیا حتیٰ کہ فلسطین بھی قحط کی لپیٹ میں  
 آ گیا جہاں یعقوب اور ان کے بیٹے رہتے تھے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اناج کے لیے مصر  
 بھیجا۔ چنانچہ ﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ”یوسف کے بھائی آئے  
 اور ان کے دربار میں داخل ہوئے، تو یوسف نے ان کو پہچان لیا، جب کہ وہ ان کو نہیں پہچانتے تھے، یعنی انہوں نے

یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا۔ ﴿وَلَبَّآ جَهَنَّمَ بِجَهَنَّمَ﴾ اور جب تیار کر دیا ان کو ان کا اسباب، یعنی جب یوسف علیہ السلام نے ان کو اناج ناپ کر دے دیا جیسا کہ وہ دوسروں کو ناپ کر دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا حسن انتظام تھا کہ وہ کسی کو ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ اناج نہیں دیا کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے ان کا حال احوال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا ایک اور بھائی ہے جو اپنے باپ کے پاس ہے اس کا نام بنیامین ہے۔ ﴿قَالَ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿اَنْتُونِي بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اٰيٰتِكُمْ﴾ ”اپنے بھائی کو میرے پاس لاؤ جو تمہارے باپ کی طرف سے ہے“ پھر آنجناب نے اپنے بھائی کو مصر لانے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا: ﴿اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْ اُوْفِي الْكَيْلِ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ ”کیا دیکھتے نہیں ہو کہ میں ماپ بھی پورا دیتا ہوں اور خوب مہمان نواز بھی ہوں۔“ یعنی مہمان نوازی اور عزت و اکرام کرنے میں سب سے بہتر ہوں پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو اپنا بھائی ساتھ نہ لانے کی صورت میں ڈراتے ہوئے کہا: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَّكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ﴾ ”پس اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے میرے پاس کوئی ماپ نہیں ہے اور میرے پاس نہ آنا“ یہ بات حضرت یوسف علیہ السلام نے اس لئے کہی کیونکہ انہیں علم تھا کہ وہ مصر ان کے پاس ضرور آئیں گے اور اپنے بھائی کو ساتھ لانے پر مجبور ہوں گے۔

﴿قَالُوْا سَنُرٰوْدُ عَنْهُ اٰبَاہٗ﴾ ”انہوں نے کہا ہم ضرور خواہش کریں گے اس کی بابت اس کے باپ سے“ یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ یعقوب علیہ السلام بنیامین سے بے حد محبت کرتے تھے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کے بعد بنیامین ہی ان کے لیے تسلی کا باعث تھے۔ اس لئے یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بلوانے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی ﴿وَاِنَّا لَفَعْلُوْنَ﴾ ”اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔“ یعنی جو کچھ آپ نے کہا ہے ہم اس پر ضرور عمل کریں گے۔ ﴿وَقَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿لِفَتٰیہٖ﴾ ”اپنے خدام سے۔“ یعنی اپنے کارندوں سے جو ان کی خدمت میں موجود تھے۔ ﴿اِجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ﴾ ”رکھ دو ان کی پونجی“ یعنی وہ قیمت جس کے بدلے انہوں نے اناج خریدا تھا۔ ﴿فِيْ رَحَالِهِمْ لَعَلَّہُمْ یَعْرِفُوْنَہَا﴾ ”ان کے اسباب میں شاید وہ اس کو پہچان لیں“ یعنی جب وہ اپنے مال کو جو انہوں نے قیمت کے طور پر ادا کیا تھا واپس اپنے اپنے کجاووں میں دیکھیں گے ﴿لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ ”شاید یہ پھر یہاں آئیں۔“ یعنی شاید وہ اپنے مال کی واپسی کو گناہ سمجھتے ہوئے اسے لوٹانے کے لیے مصر واپس آئیں۔

ظاہر ہے یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ پورے تول کے ذریعے سے نیکی کی تھی پھر ان کی قیمت بھی ان کو اس طرح واپس لوٹا دی تھی کہ اس کی واپسی کا انہیں پتہ بھی نہ چلا کیونکہ احسان انسان کے لیے واجب ٹھہراتا ہے کہ محسن کے لیے پوری وفاداری کی جائے۔



﴿ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِّعْ مِنَّا الْكَيْلَ ﴾ ”پس جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹے تو

بولے ابا جان روک دی گئی ہے ہم سے ماپ، یعنی اگر آپ ہمارا بھائی ہمارے ساتھ نہیں بھیجیں گے تو ہمیں اناج نہیں ملے گا۔ ﴿ فَارْسِلْ مَعَنَا آخَانَا نَكُنَّ لَكَ قَسَدًا ﴾ ”پس ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیجیں کہ ہم ماپ لے کر آئیں“ یعنی تاکہ اناج حاصل کرنے میں ہمارا بھائی ہمارے لئے سبب بن سکے۔ پھر انہوں نے اپنے بھائی کی حفاظت کا ذمہ اٹھاتے ہوئے کہا: ﴿ وَإِنَّا لَهٗ لَحَافِظُونَ ﴾ ”اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔“ یعنی ہم کسی ناخوشگوار صورت حال میں اس کی حفاظت کریں گے۔ ﴿ قَالَ ﴾ یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ هَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ﴾ ”کیا میں تمہارا اسی طرح اعتبار کروں جیسے اس سے پہلے اس کے بھائی کے معاملے میں اعتبار کیا تھا؟“ یعنی یوسف کی حفاظت کے بارے میں تم اپنی ذمہ داری کے التزام کا وعدہ اس سے پہلے بھی کر چکے ہو۔ بایں ہمہ تم نے اس کی حفاظت کا وعدہ پورا نہیں کیا تھا لہذا مجھے تمہارے اس عہد پر کوئی بھروسہ نہیں کہ تم اس کی حفاظت کا التزام کرو گے۔ مجھے تو بس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ ﴿ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَفِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴾ ”سوال اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ یعنی وہ میرے حال کو جانتا ہے مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر رحم کرے گا اس کی حفاظت کر کے اسے میرے پاس واپس لائے گا۔ گویا انہوں نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے کے لیے اپنی گفتگو میں نرمی کا مظاہرہ کیا۔

﴿ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ﴾ ”اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو

انہوں نے پایا کہ ان کا مال بھی واپس کر دیا گیا ہے۔“ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ انہیں معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام نے یہ مال قصداً واپس کیا تھا اور وہ اس مال کا واپس بھائیوں کو مالک بنانا چاہتے تھے۔ ﴿ قَالُوا ﴾ انہوں نے بھائی کو ساتھ بھیجنے کے لیے ترغیب دیتے ہوئے باپ سے کہا: ﴿ يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ﴾ ”ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے۔“ یعنی اس بہترین اکرام و تکریم کے بعد ہمیں اور کیا چاہئے جب کہ بادشاہ نے ہمیں اناج پورا دیا ہے اور نہایت خوبصورت طریقے سے ہمارا مال بھی واپس لوٹا دیا ہے اور یہ بات اخلاص اور مکارم اخلاق پر دلالت کرتی ہے۔ ﴿ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَبِئُكَ أَهْلُنَا ﴾ ”یہ ہے ہماری پونجی جو ہمیں واپس کر دی گئی ہے اب جائیں تو غلہ لے کر آئیں اپنے گھر والوں کے لیے“ یعنی جب ہم اپنے بھائی کو ساتھ لے کر جائیں گے تو ہم اس کے حصے کا غلہ حاصل کر سکیں گے اور اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لاسکیں گے کیونکہ وہ خوراک کے سخت محتاج ہیں۔ ﴿ وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزِدُّهُ كَيْلًا بَعِيرٍ ﴾ ”اور ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کی بھرتی بھی زیادہ لیں گے“ یعنی ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجنے کی وجہ سے ایک اونٹ کا بوجھ غلہ زیادہ ملے گا کیونکہ ہر شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ غلہ دیا جاتا تھا۔ ﴿ ذَلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴾ ”اور وہ بھرتی آسان ہے۔“ یہ بڑا آسان سا کام

ہے اس سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، کیونکہ یہ کوئی زیادہ لمبی مدت نہیں اور اس میں جو مصلحت ہے وہ بھی آپ کے سامنے واضح ہے۔

﴿قَالَ﴾ یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ﴾ ”میں ہرگز اس کو تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، یہاں تک کہ دو تم مجھے عہد اللہ کا“، یعنی جب تک تم اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھا کر پکا عہد نہ کرو۔ ﴿لَتَأْتُنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ﴾ ”کہ تم ضرور اس کو میرے پاس پہنچا دو گے، مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم سب“ یعنی سوائے کسی ایسی صورت حال کے جو تمہیں پیش آ جائے جس پر تمہارا کوئی اختیار نہ ہو اور تم اس کو ہٹانے کی قدرت نہ رکھتے ہو۔ ﴿فَلَمَّا أَتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ﴾ ”پس جب انہوں نے ان سے عہد کر لیا“، یعنی جب یعقوب علیہ السلام کی خواہش کے مطابق انہوں نے عہد و پیمان دے دیا۔ ﴿قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ وَكِيلٌ﴾ ”حضرت یعقوب نے کہا، اللہ ہماری باتوں پر نگہبان ہے،“ یعنی اللہ تعالیٰ کی گواہی اس کی حفاظت اور اس کی کفایت ہمارے لئے کافی ہے۔ پھر جب یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو بھائیوں کے ساتھ بھیج دیا، تو ان کو وصیت کی کہ جب وہ مصر پہنچیں تو ﴿لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ ”ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہوں، بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہوں“، یعنی وہ ان کے ایک ہی شخص کے بیٹے ہوتے ہوئے ان کی کثرت اور ان کے حسن منظر کی وجہ سے ان کو نظر لگنے سے ڈرتے تھے۔ یہ تو محض سبب ہے جو میں اختیار کر رہا ہوں ورنہ حقیقت یہ ہے ﴿وَمَا أَغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”میں تم کو اللہ کی کسی بات سے نہیں بچا سکتا“، پس جو چیز تقدیر میں لکھی جا چکی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ ”حکم تو اللہ ہی کا ہے۔“، یعنی فیصلہ وہی ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے اور حکم وہی ہے جو اس کا حکم ہے۔ پس جس چیز کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر دے وہ ضرور واقع ہوتا ہے۔ ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ ”اسی پر میرا بھروسہ ہے“، یعنی جن اسباب کو اختیار کرنے کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے، میں اس پر بھروسہ نہیں کرتا، بلکہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہوں۔ ﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ ”اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے“، کیونکہ توکل ہی کے ذریعے سے ہر مطلوب و مقصود حاصل ہوتا ہے اور توکل ہی کے ذریعے سے ہر خوف کو دور کیا جاتا ہے۔

﴿وَلَمَّا﴾ ”اور جب“، یعنی جب وہ روانہ ہو گئے۔ ﴿دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا﴾ ”(اور) داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا“ (ان کا یہ فعل) ان کو اللہ کی کسی بات سے نہ بچا سکتا تھا، مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں، سو وہ اس نے پوری کر لی۔“ اور وہ تھا اولاد کے لیے شفقت اور محبت کا موجب ایسا کرنے سے ان کو ایک قسم کا اطمینان حاصل ہو گیا تھا اور ان کے دل میں جو خیال گزرا تھا وہ بھی پورا ہو گیا اور یہ یعقوب علیہ السلام کے علم



کی کوتاہی نہیں، کیونکہ وہ انبیائے کرام اور علمائے ربانی میں سے تھے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی مدافعت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَكُدُّوْعِلْمٌ﴾ ”وہ علم عظیم کے مالک تھے“ ﴿يَمَاعَلْنَهُ﴾ ”کیونکہ ہم نے ان کو تعلیم دی تھی۔“ یعنی انہوں نے اپنی قوت و اختیار سے اس کا ادراک نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا عطا کردہ علم کا فرما تھا۔ ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ یعنی اکثر لوگ معاملات کے انجام اور اشیاء کی باریکیوں کو نہیں جانتے۔ اسی طرح اہل علم پر بھی علم احکام اور اس کے لوازم میں سے بہت کچھ مخفی رہ جاتا ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ  
اور جب وہ داخل ہوئے اور یوسف کے پاس اپنے بھائی کو (اور) کہا، بلاشبہ میں بھائی ہوں تیرا،  
فَلَا تَبْتِئْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ  
سو نہ غم کھا تو بوجہ اس کے جو تھے وہ عمل کرتے ۴۹ پھر جب تیار کر دیا یوسف نے ان کے لیے سامان ان کا تو رکھ دیا  
السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذِنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ  
مرصع پیالہ سامان میں اپنے بھائی کے پھر اعلان کیا ایک اعلان کرنے والے نے، اے قافلہ والو! بے شک تم لوگ  
لَسُرِقُونَ ﴿٥٠﴾ قَالُوا وَقَبِلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقَدُونَ ﴿٥١﴾ قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعَ  
تو چور ہو ۵۰ انہوں نے کہا، اور وہ متوجہ ہوئے ان کی طرف، کیا چیز گم پاتے ہو تم؟ ۵۱ انہوں نے کہا، گم پاتے ہیں ہم پیالہ  
الْمَلِكِ وَلَيْسَ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٥٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ  
بادشاہ کا، اور واسطاس شخص کے جولائے گا اسے، ایک بار شتر ہے (غلہ) اور میں ساتھ اس (وندے) کے ضامن ہوں ۵۲ انہوں نے کہا، اللہ کی قسم!  
لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سُرِقِينَ ﴿٥٣﴾ قَالُوا فَمَا  
البتہ تحقیق جانتے ہو تم کہ ہم نہیں آئے ہم تاکہ فساد کریں ہم اس زمین میں، اور نہیں ہیں ہم چور ۵۳ انہوں نے کہا، پھر کیا  
جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا جَزَاؤُكَ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ  
سزا ہے اس (چور) کی اگر ہو تم جھوٹے؟ ۵۴ انہوں نے کہا، سزا اسکی یہ ہے جو شخص کہ پایا جائے وہ (پیالہ) اس کے سامان میں  
فَهُوَ جَزَاؤُكَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٥٥﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ  
پس وہی شخص ہے بدلہ اس کا، اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں ظالموں کو ۵۵ پس شروع ہوا (لگا) یوسف (تلاشی لینے) ان کے بوروں کی  
قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرِجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ  
پہلے اپنے بھائی کے بورے کے پھر نکال لیا وہ (پیالہ) بورے سے اپنے بھائی کے، اسی طرح تدبیر کی ہم نے واسطے یوسف کے،  
مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ  
نہیں تھا یوسف کہ وہ لے سکتا اپنے بھائی کو قانون میں اس بادشاہ کے مگر یہ کہ چاہے اللہ، بلند کرتے ہیں ہم درجے جس کے

نَّشَأُ طَوْفُوقُ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْهِ ۝ قَالُوا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ

چاہیں، اور اوپر ہر صاحب علم کے ایک زیادہ علم والا ہے ○ انہوں نے کہا، اگر اس نے چوری کی ہے تو تحقیق چوری کی تھی

أَخَّ لَهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَكَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ

ایک بھائی نے اس کے، اس سے پہلے پس چھپایا اس (بات) کو یوسف نے اپنے دل میں اور نہ ظاہر کیا اسے واسطے اس کے، کہا (دل میں)

أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ

تم بدترین ہو مرتبے میں، اور اللہ خوب جانتا ہے اس کو جو تم بیان کرتے ہو ○ انہوں نے کہا، اے عزیز! بے شک

لَهُ أَبَا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۚ إِنَّا نَرَاكَ

اس (بنیامین) کا باپ ہے بوڑھا بڑی عمر والا، پس آپ لے لیں کسی ایک کو ہم میں سے اس کی جگہ بے شک ہم دیکھتے ہیں آپ کو

مِنَ الْبُحْسَنِ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا

احسان کرنے والوں میں سے ○ یوسف نے کہا، پناہ اللہ کی اس بات سے کہ لیں ہم (کسی اور کو) سوائے اس شخص کے کہ پایا ہم نے

مَتَاعَنَا عِنْدَكَ ۚ إِنَّا إِذَا لَظَلِمُونَ ۝

سامان اپنا اس کے پاس، (ایسا کیا تو) بلاشبہ ہم اس وقت ظالم ہو گئے ○

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ﴿اَوَىٰ اِلَيْهِ اَخَاهُ﴾ ”تو اپنے بھائی کو اپنے

پاس جگہ دی“ یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو، جس کو لانے کے لیے انہوں نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا

تھا، پاس بلا کر اپنے ساتھ بٹھایا اور بھائیوں سے اس کو الگ کر لیا اور اسے تمام حقیقت حال سے آگاہ کر دیا۔

﴿قَالَ اِنِّیْ اَنَا اَخُوكَ فَلَا تَبْتَسِمْ﴾ ”اس نے کہا، میں تیرا بھائی ہوں، پس غمگین مت ہو،“ یعنی غم زدہ نہ ہو

﴿بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”ان کاموں سے جو یہ کرتے رہے ہیں“ کیونکہ ہماری عاقبت اچھی ہے، پھر انہوں نے

بنیامین کو اپنے اس منصوبے اور حیلے سے آگاہ کیا جس کے مطابق یوسف علیہ السلام، بنیامین کو اپنے پاس رکھنا چاہتے

تھے جب تک کہ معاملہ اپنے انجام کو نہیں پہنچ جاتا۔ ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ﴾ ”پس جب تیار کر دیا ان کے

واسطے ان کا اسباب“ یعنی جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں میں سے ہر ایک کو غلہ ناپ کر دے دیا، ان میں ان

کا حقیقی بھائی بنیامین بھی شامل تھا۔ ﴿جَعَلَ السَّقَايَةَ﴾ ”تو رکھ دیا پینے کا پیالہ“ اس سے مراد وہ پیالہ ہے جس میں

پانی پیا جاتا ہے اور اس میں انانج وغیرہ بھی ناپا جاتا ہے ﴿فِي رَحْلِ اَخِيهِ ثُمَّ﴾ ”یعنی پیالہ بھائی کے سامان میں

رکھ دیا۔ پھر جب انہوں نے اپنا سامان سمیٹ لیا اور وہ کوچ کرنے لگے تو ﴿اِذْ نَ مُؤَدِّنَ اَيَّتِهَا الْعَبْدُ

اَنْتُمْ لَسْرِوْنٌ﴾ ”اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ اے قافلے والو! تم تو چور ہو“ شاید اعلان کرنے والے کو حقیقت

حال کا علم نہیں تھا۔



﴿قَالُوا﴾ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا: ﴿وَأَقْبِلُوا عَلَيْهِمْ﴾ ”اور ان کی طرف متوجہ ہوئے“، تہمت کو دور کرنے کے لیے، کیونکہ چور ہمیشہ اس شخص سے دور ہونے کی کوشش کرتا ہے جس کی اس نے چوری کی ہوتا کہ اس کی چوری پکڑی نہ جائے اور یہ لوگ ان کے پاس واپس آ گئے، تہمت کے ازالے کے سوال ان کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس صورت میں انہوں نے اعلان کرنے والوں سے پوچھا ﴿مَاذَا تَفْقِدُونَ﴾ ”تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟“ انہوں نے یہ نہیں پوچھا ”ہم نے تمہاری کیا چیز چرائی ہے؟“ کیونکہ وہ چوری کے اس الزام سے اپنے آپ کو یقینی طور پر بری سمجھتے تھے۔ ﴿قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ﴾ ”ہم نہیں پاتے بادشاہ کا پیالہ اور جو کوئی اس کو لائے گا، اس کے لئے ایک اونٹ کا بوجھ ہے،“ یعنی اس کو ڈھونڈنے کی اجرت میں ایک بار شتر اناج ملے گا ﴿وَإِنَّا بِهِ زَعِيمٌ﴾ ”اور میں اس کا ضامن ہوں۔“ یعنی یہ اناج دلانے کا میں ذمہ لیتا ہوں، یہ بات تلاش کرنے والے نے کہی تھی۔ ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”انہوں نے کہا“ اللہ کی قسم تم جانتے ہو ہم ملک میں بگاڑ ڈالنے کے لئے نہیں آئے“ گناہوں کی تمام اقسام کے ذریعے سے ﴿وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ﴾ ”اور نہ ہم چور ہی ہیں“ کیونکہ چوری فساد فی الارض کی سب سے بڑی قسم ہے۔

انہوں نے قسم اس لئے اٹھائی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ فساد پھیلانے والے ہیں نہ چور۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے احوال کی خوب جانچ پڑتال ہوئی ہے جو ان کی پاکیزگی اور پرہیزگاری پر دلالت کرتی ہے اور یہ کہ یہ کام ان کے علم سے نہیں ہو سکتا جن پر وہ چوری کی تہمت لگا رہے ہیں..... یہ پیرایہ چوری کی تہمت کی نفی میں اس فقرے سے زیادہ بلیغ ہے (تَاللّٰهِ لَمْ نَفْسِدْ فِي الْأَرْضِ وَلَمْ نَسْرِقْ) ”اللہ کی قسم ہم نے زمین میں فساد کیا ہے نہ ہم نے چوری کی ہے۔“ ﴿قَالُوا فَمَا جَزَاؤُكَ﴾ ”انہوں نے کہا“ تو اس کی جزا کیا ہے، یعنی اس فعل کی جزا کیا ہوگی ﴿إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ﴾ ”اگر تم جھوٹے ہوئے؟“ یعنی اگر بادشاہ کا پیالہ تمہارے پاس ہوا۔

﴿قَالُوا جَزَاؤُكَ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ﴾ ”انہوں نے کہا“ اس کی جزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ پیالہ پایا جائے تو وہی، یعنی جس کے سامان میں موجود ہوگا ﴿جَزَاؤُكَ﴾ ”اس کی جزا ہے۔“ یعنی جس کی چوری کی گئی ہے وہ اس کا مالک بن جائے گا، ان کے دین میں چوری کی سزا یہ تھی کہ اگر اس پر چوری کا الزام ثابت ہو جاتا تو وہ مال مسروقہ کے مالک کی ملکیت بن جاتا، اسی لئے انہوں نے کہا: ﴿كَذٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ ”ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“

﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ آخِيهِ﴾ ”پھر انہوں نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے ان کے سامان کو دیکھنا شروع کیا۔“ یعنی تلاشی لینے والے نے پہلے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی خریجوں کی تلاشی لی تا کہ وہ شک زائل ہو جائے کہ سب کچھ قصداً کیا گیا ہے۔ ﴿ثُمَّ﴾ ”پھر“ یعنی جب بھائیوں کی خریجوں سے کچھ نہ ملا، تو

﴿اَسْتَخْرِجَهَا مِنْ وِعَاءِ اَخِيهِ﴾ ”اس برتن کو نکال لیا اپنے بھائی کی خرچی سے“، یعنی حقیقت واقعہ کی رعایت رکھتے ہوئے (وَجَدَهَا) یا (سَرَقَهَا) نہیں کہا۔

اس طرح یوسف علیہ السلام کے اس منصوبے کی تکمیل ہو گئی جس کے مطابق وہ اپنے بھائی کو اس طرح اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے کہ ان کے بھائیوں کو اصل صورت حال کا علم نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ﴾ ”اس طرح تدبیر کی ہم نے یوسف کے لئے“، یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے اس تدبیر کو آسان کر دیا جس کے ذریعے سے وہ غیر مذموم طریقے سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ﴿مَا كَانَ لِيَاخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ﴾ ”وہ اپنے بھائی کو نہیں لے سکتا تھا اس بادشاہ کے دین میں“، یعنی بادشاہ کے قانون کے مطابق مال مسروقہ کے مالک کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ چور کا مالک بن سکے۔ ان کے ہاں چوری کی کوئی اور سزا تھی۔ اگر فیصلہ بادشاہ کے قانون کے مطابق ہوتا تو یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے۔ اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فیصلہ کروایا، تاکہ ان کے منصوبے کی تکمیل ہو۔

﴿تَرْفَعُ دَرَجَتٍ مِّنْ نَّشَاءٍ﴾ ”ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں“، یعنی علم نافع اور اس راستے کی معرفت عطا کر کے جو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ جیسے ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے درجات بلند کئے۔ ﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ﴾ ”اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔“، یعنی ہر صاحب علم کے اوپر ایک شخص ہوتا ہے جو اس سے زیادہ علم رکھتا ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ غائب اور موجود کا علم رکھنے والی ہستی تک جا پہنچتا ہے۔ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ﴿قَالُوا اِنْ يَسْرِقْ﴾ ”انہوں نے کہا اگر اس (بھائی) نے چوری کی ہے“ تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ﴿فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهِ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی“، ان کی مراد یوسف علیہ السلام تھے۔ ان کا مقصود خود اپنی براءت کا اظہار کرنا تھا۔ نیز یہ کہ بنیامین اور اس کے بھائی سے چوری صادر ہوئی ہے اور یہ دونوں ہمارے حقیقی بھائی نہیں ہیں۔ یہ ان کی طرف سے یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی بنیامین کا مرتبہ گھٹانے کی کوشش تھی۔ اس لئے یوسف علیہ السلام نے اس کے جواب کو اپنے دل میں رکھا۔ ﴿وَلَمْ يُبَيِّنْهَا لَهُمْ﴾ ”اور اس کو ان کے سامنے ظاہر نہیں کیا“، اس لئے ان کی اس بات پر کسی ایسے رد عمل کا اظہار نہ کیا جو انہیں ناگوار گزرے بلکہ وہ اپنے غصے کو پی گئے اور تمام معاملے کو اپنے دل میں چھپا لیا۔ ﴿قَالَ﴾ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا: ﴿اَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا﴾ ”تم بدتر ہو درجے میں“ کیونکہ تم نے ایک بے بنیاد بات پر ہماری مذمت کی ہے اور خود اس سے بھی بدتر اعمال کے مرتکب ہوئے ہو۔ ﴿وَاللَّهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔“ ہماری بابت جو تم ہمیں سرقہ سے متصف کرتے ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم چوری کے بہتان سے بری ہیں۔



پھر انہوں نے یوسف علیہ السلام کی خوشامد شروع کر دی شاید کہ وہ ان کے بھائی کے بارے میں نرمی سے کام لیں، پس ﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا﴾ ”انہوں نے کہا، اے عزیز! اس کا باپ بوڑھا ہے، بڑی عمر کا“، یعنی وہ اس کی جدائی پر صبر نہیں کر سکے گا، اس کی جدائی اس پر بہت شاق گزرے گی۔ ﴿فَخَذَ أَحَدُنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”پس اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لے، یقیناً ہم تجھے احسان کرنے والا دیکھتے ہیں“، پس ہم پر اور ہمارے باپ پر احسان کیجئے۔

﴿قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے کہا: ﴿مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ﴾ ”اللہ پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں۔“، یعنی ہماری طرف سے یہ بہت بڑا ظلم ہوگا اگر ہم اس شخص کے بدلے جس کے پاس سے ہمارا مال برآمد ہوا ہے، ایک بے گناہ شخص کو پکڑ لیں۔ یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں کہا ”جس نے چوری کی“ یہ جھوٹ سے احتراز ہے۔

﴿إِنَّا إِذَا﴾ ”ہم تو پھر“، یعنی اگر ہم اس شخص کو پکڑنے کی بجائے جس کے سامان سے ہمارا مال برآمد ہوا ہے کسی اور شخص کو پکڑ لیں ﴿تَظْلِمُونَ﴾ ”ظالم ہوں گے“ کیونکہ اس طرح ہم ایسے شخص کو سزا دیں گے جو سزا کا مستحق نہیں۔

فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا

پس جب وہ ناامید ہو گئے اس سے تو الگ ہوئے وہ (اور گئے) باہم مشورہ کرنے، کہا ان کے بڑے نے، کیا نہیں جانتے تھے

أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ

کہ بے شک تمہارے باپ نے لیا ہے تم سے پختہ وعدہ اللہ کا؟ اور (کیا نہیں جانتے) اس سے پہلے جو کوتاہی کر چکے ہو تم

فِي يُوسُفَ ۚ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ

یوسف کی بابت؟ پس ہرگز نہیں چھوڑوں گا میں تو اس زمین (مصر) کو یہاں تک کہ اجازت دے میرے لئے میرا باپ یا فیصلہ کر دے اللہ

لِي ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝۸۰ اِرْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا

میرے لئے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۝ (اے بھائیو!) تم واپس جاؤ طرف باپ اپنے کی اور کہو اے ہمارے باپ!

إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ

بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے اور نہیں گواہی دی ہم نے مگر ساتھ اس چیز کے جس کا علم تھا ہمیں، اور نہیں تھے ہم غیب کے

حَفِظِينَ ۝۸۱ وَسَأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۚ

یاد رکھنے والے ۝ اور پوچھ لیجئے اس بستی (والوں) سے کہ تھے ہم اس میں اور اس قافلہ (والوں) سے (بھی) کہ آئے ہیں ہم اس میں،

وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝۸۲ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْ رَأَتْ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۚ

اور بے شک ہم البتہ سچے ہیں ۝ یعقوب نے کہا، (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمہاری نفسوں نے ایک بات، پس صبری بہتر ہے

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٠﴾

امید ہے اللہ، یہ کہ لے آئے میرے پاس ان کو اکٹھا، بے شک وہی ہے خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ○

جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اس بارے میں مایوس ہو گئے کہ وہ ان کے بھائی کے معاملے میں نرمی اختیار کریں۔ ﴿خَالَصُوا نَجِيًّا﴾ ”تو وہ علیحدگی میں اکٹھے ہوئے اور صلاح کرنے لگے۔“ جہاں کوئی اور موجود نہ تھا انہوں نے سرگوشیوں میں ایک دوسرے سے مشورہ کیا۔ ﴿قَالَ كَيْدُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ﴾ ”ان کے بڑے نے کہا، کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا، یعنی تم سے اس کی حفاظت کرنے اور ساتھ لے کر آنے کا عہد لیا تھا، سوائے اس کے کہ تم کسی مصیبت میں گھر کر بے بس ہو جاؤ۔ ﴿وَمِنْ قَبْلُ مَا قَرَّطُمْ فِي يُوسُفَ﴾ ”اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو“ پس تم میں دو امورا اکٹھے ہو گئے ہیں۔

(۱) یوسف علیہ السلام کے بارے میں تمہاری گزشتہ کوتاہی۔

(۲) اس کے چھوٹے بھائی کو اپنے ساتھ نہ لانا..... میرے پاس تو ایسی کوئی دلیل نہیں جس کے ذریعے سے میں اپنے باپ کا سامنا کر سکوں۔

﴿فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ﴾ ”پس میں تو یہیں مقیم رہوں گا اور یہاں سے نہیں جاؤں گا“ ﴿حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي﴾ ”یہاں تک کہ حکم دے مجھ کو میرا باپ یا اللہ میری بابت فیصلہ کر دے“، یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے اکیلے یا بھائی کے ساتھ آنا مقدر کر دے۔ ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْخَاكِمِينَ﴾ ”اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“ پھر اس نے اپنے بھائیوں کو وصیت کی کہ انہیں اپنے باپ سے جا کر کیا کہنا ہے۔

﴿ارْجِعُوا إِلَى آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ ”اپنے باپ کے پاس جاؤ اور کہو ابا جان! آپ کے بیٹے نے تو چوری کی“، یعنی وہ چوری کے جرم میں دھر لیا گیا ہے اس کے باوجود کہ ہم نے اس کے بارے میں بھرپور کوشش کی مگر ہم اس کو ساتھ نہ لا سکے۔ صورت حال یہ ہے کہ ہم کسی ایسی چیز کی گواہی نہیں دیتے جو ہمارے سامنے نہ تھی ہم تو صرف اسی چیز کا مشاہدہ کر سکتے تھے جو ہمارے سامنے تھی، کیونکہ ہم نے مشاہدہ کیا کہ بادشاہ کا پیانا نہ بنیامین کی خرجی سے برآمد ہوا۔ ﴿وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ﴾ ”اور ہم کو غیب کی بات کا دھیان نہ تھا“ اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے اپنے ساتھ لے جانے کی خواہش کرتے نہ اس کو ساتھ لے جانے کے لیے اتنی کوشش کرتے اور نہ آپ کو کوئی عہد دیتے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا۔

﴿وَسُئِلَ﴾ ”اور دریافت کر لیجیے“، یعنی اگر آپ کو ہماری بات میں کوئی شک ہے، تو ﴿الْقَرْيَةِ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعَيْدِ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا﴾ ”اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں“



ہم نے جو آپ کو خبر سنائی ہے وہ اس کے بارے میں پوری اطلاع رکھتے ہیں۔ ﴿وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ﴾ ”اور ہم البتہ سچے ہیں“ ہم نے جھوٹ بولا ہے نہ ہم نے تغیر و تبدل کیا ہے بلکہ یہی واقعات ہیں۔ (جو ہم آپ کو بتا رہے ہیں) جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس پہنچے اور انہیں ان واقعات سے آگاہ کیا تو یعقوب علیہ السلام بہت غم زدہ ہوئے اور ان کی اداسی کئی گنا بڑھ گئی۔ پہلے کی طرح اس واقعہ میں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو متم قرار دیا ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَبِيلٌ﴾ ”(اور) کہا بلکہ بنائی ہے تمہارے جی نے ایک بات پس اب صبر ہی بہتر ہے“ یعنی میں اس معاملے میں صبر جمیل کی پناہ لیتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ناراضی ہے نہ بے صبری کا مظاہرہ اور نہ مخلوق کے پاس شکوہ۔ اور جب انہوں نے دیکھا کہ غم و کرب بہت شدید ہو گیا تو انہوں نے سکون کا سہارا لینے کے لیے کہا: ﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَبِينًا﴾ ”شاید اللہ لے آئے میرے پاس ان سب کو“، یعنی یوسف بنیامین اور سب سے بڑا بھائی جو مصر میں رہ پڑا تھا۔ ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ﴾ ”بے شک وہ جاننے والا ہے“ جو میرے حال کو جانتا ہے جو یہ بھی جانتا ہے کہ میں اس کی طرف سے کشادگی اور نوازش کا محتاج اور اس کے احسان کا ضرورت مند ہوں۔ ﴿الْحَكِيمُ﴾ ”وہ دانہ ہے۔“ جس نے اپنی حکمت ربانی کے تقاضے کے مطابق ہر چیز کا اندازہ اور اس کا منتہا مقرر کیا ہے۔

وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَى عَلَى يُونُسَ وَأَبْيَضْتُ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۸۷﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَوُا تَذْكُرُ يُونُسَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا غم سے بھرا ہوا تھا ○ انہوں نے کہا، قسم اللہ کی! تو سدا یاد کرتا رہے گا یوسف کو یہاں تک کہ ہو جائے تو (غم میں) گھل جانے والا اَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۸۸﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ یا ہو جائے تو ہلاک ہونے والوں سے ○ اس نے کہا، میں تو شکایت کرتا ہوں اپنی بے قراری اور اپنے غم کی صرف اللہ کی طرف وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو نہیں جانتے تم ○

یعنی جب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے انہیں یہ خبر سنائی تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے منہ پھیر لیا، ان پر غم و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، دل میں چھپے ہوئے غم اور کرب کی وجہ سے رور و کران کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ ﴿فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ ”سو وہ اپنے آپ کو گھونٹ رہا تھا“، یعنی ان کا دل حزن و غم سے لبریز تھا۔ ﴿وَقَالَ يَا سَفَى عَلَى يُونُسَ﴾ ”اور کہا“ اے افسوس یوسف پر، یعنی پرانا حزن و غم اور نہ ختم ہونے والا اشتیاق جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے دل میں چھپا رکھا تھا ظاہر ہو گیا اور اس نئی اور پہلی مصیبت کی نسبت قدرے ہلکی مصیبت نے پہلی

مصیبت کی یاد تازہ کر دی۔ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے ان کے حال پر تعجب کرتے ہوئے کہا: ﴿تَاللّٰهِ تَفْتَوُا تَذَكَّرُ يُوسُفَ﴾ ”اللہ کی قسم! آپ اسی طرح یوسف کو یاد کرتے رہیں گے“، یعنی آپ اپنے تمام احوال میں یوسف علیہ السلام کو یاد کرتے رہیں گے۔ ﴿حَتّٰی تَكُوْنَ حَرَصًا﴾ ”یہاں تک کہ آپ فنا ہو جائیں گے“ آپ حرکت تک نہیں کر سکیں گے اور آپ میں بولنے کی قدرت نہیں رہے گی۔ ﴿اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ﴾ ”یا ہو جائیں گے آپ ہلاک“، یعنی آپ یوسف علیہ السلام کو یاد کرنے کی قدرت رکھتے ہوئے اس کو یاد کرنا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ ﴿قَالَ﴾ یعقوب علیہ السلام نے کہا: ﴿اِنَّمَا اَشْكُوْا بَنِيَّ﴾ ”میں تو کھولتا ہوں اپنا اضطراب“، یعنی میں جو بات کرتا ہوں ﴿وَحُزْنِيَّ﴾ ”اور اپنا غم“ وہ جو میرے دل میں پوشیدہ ہے ﴿اِلَى اللّٰهِ﴾ ”اللہ کے سامنے“، یعنی میں اپنے حزن و غم کا شکوہ تمہارے پاس یا کسی اور کے پاس نہیں کرتا، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس کرتا ہوں۔ اس لئے تم جو چاہو کہتے رہو۔ ﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ”اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے“، یعنی میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ضرور انہیں میرے پاس لوٹائے گا اور ان سب کو میرے پاس اکٹھا کر کے میری آنکھیں ٹھنڈی کرے گا۔

يٰۤاِبْنِيْ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُوسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَاَيَسُّوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اے میرے بیٹو! تم جاؤ اور تلاش کرو یوسف اور اس کے بھائی کو، اور نہ مایوس ہو اللہ کی رحمت سے، اِنَّهٗ لَا يَاْيَسُّ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ بے شک نہیں مایوس ہوتے اللہ کی رحمت سے مگر کافر لوگ ہی ○ پھر جب وہ داخل ہوئے یوسف پر قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلُنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰۤیَةٍ تو انہوں نے کہا، اے عزیز! پچنی ہے ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو تکلیف اور لائے ہیں ہم بونچی ناقص، فَكُوْفٍ لَّنَا الْكَيْلُ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۹﴾ پس آپ پورا دیجئے ہمارے لئے ماپ (ٹلے کا) اور صدقہ خیرات کیجئے ہم پر، بے شک اللہ جزا دیتا ہے صدقہ خیرات کرنے والوں کو ○

یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا: ﴿يٰۤاِبْنِيْ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُوسُفَ وَاَخِيْهِ﴾ ”اے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسف اور اس کے بھائی کو“، یعنی پوری حرص اور کوشش کے ساتھ دونوں کو تلاش کرو۔ ﴿وَلَا تَاَيَسُّوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾ ”اور اللہ کے فیض سے ناامید نہ ہو“ کیونکہ امید بندے کو اپنے مقصد کے لیے کوشش اور جدوجہد کے لیے آمادہ کرتی ہے اور مایوسی اسے ست اور کابل بنادیتی ہے اور سب سے بہترین چیز جس کی بندے کو امید رکھنی چاہئے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت و مہربانی۔ ﴿لَا يَاْيَسُّ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ ”اور اللہ کے فیض سے کافر ہی ناامید ہوتے ہیں“ کیونکہ کفار اپنے کفر کی وجہ سے اپنے آپ کو



اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ان سے دور ہے اس لئے کفار کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ بندہ اپنے ایمان کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی کی امید رکھتا ہے۔

پس وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ﴾ ”جب وہ اس کے پاس گئے“ یعنی جب وہ یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ﴿قَالُوا﴾ ”تو انہوں نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا: ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجِيَةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾“ اے عزیز! پڑی ہے ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر سختی اور ہم ناقص پونجی لے کر آئے ہیں سو ہمیں بھرتی پوری دیں اور ہم پر خیرات کریں“ یعنی ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت محتاج ہو گئے ہیں۔ ﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجِيَةٍ﴾ ”اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں۔“ یعنی ہم ایسا مال لے کر آئے ہیں جو قلیل بے وقعت ہونے کی بنا پر کسی اہمیت کا حامل نہیں۔

﴿فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ﴾ ”پس آپ ہمیں پورا غلہ دیجیے۔“ یعنی ہمارے پاس قیمت کم ہونے کے باوجود ہمیں قیمت سے زیادہ غلہ عنایت کر کے ہم پر صدقہ کیجئے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ ”بیشک اللہ صدقہ کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو دنیا و آخرت کا ثواب عطا کرتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا ءَاثَاكَ لَا أَنْتَ يُّوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۖ كَمَا وَاقَعِي تُو يُوْسُفُ هِي هِي؟ اِسْ نِي كَمَا، (ہاں) ميں يُوْسُفُ ہوں اور يہ ميں اُبھائی ہے، تحقيق احسان كيا ہے اللہ نے ہم پر، اِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضَيِّعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا تَاللّٰهِ بے شك جو شخص ڈرتا ہے اور صبر كرتا ہے تو بلاشبہ اللہ انہیں ضائع كرتا اجر نيكی كرنے والوں كا ۝ انہوں نے كہا، قسم اللہ كی! لَقَدْ اَثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخُطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْنَا الْيَوْمَ يقيناً فضيلت دى تجھے اللہ نے ہم پر، اور بلاشبہ ہم ہی تھے خطا كار ۝ اس نے كہا، انہیں كوئی ملامت اوپر تمہارے آج،

يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِمِينَ ﴿٩٢﴾

معاف کرے اللہ تمہیں اور وہی سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ۝

جب معاملہ اپنی انتہا اور شدت کو پہنچ گیا، تو یوسف علیہ السلام نرم پڑ گئے اور انہوں نے ان کو اپنا تعارف کرایا اور ان پر عتاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ﴾ ”کیا تمہیں معلوم ہے، تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا؟“ ہر ہے یوسف علیہ السلام تو ان کے ساتھ ان کا سلوک ظاہر ہے اور رہا ان کا بھائی بنیامین تو شاید..... واللہ اعلم..... اس سے مراد بھائیوں کا یہ قول ہے ﴿قَالُوا اِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ﴾

(یوسف: ۷۷/۱۲) یا اس سے مراد وہ حادثہ ہے جس کی بنا پر باپ اور بیٹے میں جدائی واقع ہوئی اور اس جدائی کے اصل سبب اور موجب وہی تھے۔ ﴿إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾ ”جب تم نا سمجھ تھے“ یہ ان کی جہالت پر ایک قسم کا اعتذار ہے یا ان پر زجر و توبیخ ہے کیونکہ انہوں نے جاہلوں کا سا کام کیا، حالانکہ یہ کام ان کے شایان شان نہیں تھا۔

انہوں نے پہچان لیا کہ جو شخص ان سے مخاطب ہے وہ یوسف ہے اس لئے انہوں نے پوچھا: ﴿عَآئِكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ ”کیا آپ یوسف ہیں؟ انہوں نے کہا“ ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے“ کہ اس نے ہمیں ایمان، تقویٰ اور زمین میں اقتدار سے نوازا۔ یہ سب کچھ صبر اور تقویٰ کا ثمرہ ہے۔ ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ﴾ ”بے شک جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے، یعنی جو کوئی فعل حرام سے پرہیز کرتا ہے، آلام و مصائب پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”تو اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ یہ تمام امور احسان کے زمرے میں آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال حسد کو ضائع نہیں کرتا۔

﴿قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا﴾ ”انہوں نے کہا اللہ کی قسم اللہ نے آپ کو ہمارے مقابلے میں پسند کر لیا ہے، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو مکرم اخلاق اور محاسن عادات کے ذریعے سے ہم پر فضیلت سے نوازا، ہم نے آپ کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا، ہم نے آپ کو تکلیف پہنچانے اور آپ کو اپنے باپ سے دور کرنے کی خواہش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو فضیلت بخشی اور ان امور کو آپ کے لیے ممکن بنا دیا جو آپ چاہتے تھے۔ ﴿وَإِنْ كُنَّا لَخَطِيئِينَ﴾ ”اور بلاشبہ ہم خطا کار تھے۔“

﴿قَالَ﴾ یوسف علیہ السلام نے اپنے جو دو کرم کی بنا پر ان سے کہا: ﴿لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ﴾ ”آج تم پر کوئی الزام نہیں“، یعنی میں تمہارا کوئی مواخذہ اور تم پر کوئی ملامت نہیں کرتا۔ ﴿يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ ”اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے گزشتہ جرائم پر عار دلائے بغیر ان کے ساتھ انتہائی نرمی اور فراخ دلی کا سلوک کیا اور ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا کی یہ احسان کی انتہا ہے اس سلوک کا مظاہرہ اللہ تعالیٰ کے خاص اور پنے ہوئے بندے ہی کر سکتے ہیں۔

إِذْ هَبُوا بَقِيصِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَى وَجْهِ إِبْنِي يَاتٍ بِصِيرَاءٍ وَأَتُونِي لَعَلَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۹۶﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ

اپنے اہل و عیال کو سب کو اور جب نکلا قافلہ (مصر سے) تو کہا ان کے باپ نے، بے شک میں پاتا ہوں مہک



يُوسُفَ لَوْ لَا أَنْ تُفْنِدُونَ ﴿٩٧﴾ قَالُوا تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٨﴾

یوسف کی، اگر نہ بہکا ہوا کہو تم مجھے ○ انہوں نے کہا! قسم اللہ کی، بے شک تو البتہ اپنی پرانی غلطی میں ہے ○  
فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَكُنْ أَقُلْ  
لَکُمْ ۖ إِنِّي أَخُو ثَمُودَ ۚ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ لَّکُمْ إِنَّا نَکْفُرُ بِکَ ۚ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ لَّکُمْ إِنَّا نَکْفُرُ بِکَ ۚ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ لَّکُمْ إِنَّا نَکْفُرُ بِکَ ۚ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ لَّکُمْ إِنَّا نَکْفُرُ بِکَ ۚ  
پس جب آیا خوشخبری دینے والا تو ڈالی اسے وہ قمیص اوپر اس کے چہرے کے، تو پھر سے ہو گیا وہ دیکھنے والا، یعقوب نے کہا، کیا نہیں کہا تھا میں نے  
لَکُمْ ۖ إِنِّي أَخُو ثَمُودَ ۚ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ لَّکُمْ إِنَّا نَکْفُرُ بِکَ ۚ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ لَّکُمْ إِنَّا نَکْفُرُ بِکَ ۚ قَالَ أَلَمْ نَقُلْ لَّکُمْ إِنَّا نَکْفُرُ بِکَ ۚ  
تم سے بے شک میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ جو نہیں جانتے تم ○ انہوں نے کہا، اے ہمارے باپ! مغفرت طلب کر ہمارے لیے

دُنُوبَنَا إِنَّا کُنَّا خٰطِئِينَ ﴿٩٩﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّي ۖ

ہمارے گناہوں کی بے شک ہم ہی تھے خطا کار ○ اس نے کہا، غفریب میں مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اپنے رب سے،

إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٠﴾

بے شک وہی غفور ہے رحیم ہے ○

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا: ﴿إِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَالْقُوْهُ عَلَىٰ وَجْهِ اِنِّیْ یَاتٍ بَصِیْرًا﴾  
”تم میری یہ قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا“ وہ آنکھوں سے دیکھتا ہوا آئے گا“ کیونکہ  
ہر بیماری کا علاج اس کی ضد کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ اس قمیص میں چونکہ یوسف علیہ السلام کی خوشبو کا اثر تھا جس  
کی جدائی نے اپنے باپ کے دل کو اس قدر حزن و غم سے لبریز کر دیا تھا..... جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے..... حضرت  
یوسف علیہ السلام چاہتے تھے کہ یہ قمیص ان کے باپ کو سونگھائی جائے تو ان کی روح، ان کا نفس اور ان کی بصارت لوٹ  
آئے گی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور اسرار پنہاں ہیں جن کو بندے نہیں جانتے مگر اس معاملے پر  
یوسف علیہ السلام کو مطلع کیا گیا۔ ﴿وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِکُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ ”اور میرے پاس اپنا سارا گھر لے آؤ“، یعنی اپنے  
بال بچوں، قبیلے والوں اور دیگر تمام متعلقہ لوگوں کو میرے پاس لاؤ تا کہ ملاقات کی تکمیل ہو اور تمہاری معاشی بد حالی  
اور رزق کی تنگی دور ہو۔ ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ﴾ ”اور جب قافلہ جدا ہوا“، یعنی مصر سے فلسطین کی طرف روانہ  
ہوا تو یعقوب علیہ السلام نے قمیص کی خوشبو سونگھ لی اور کہنے لگے: ﴿اِنِّیْ لَاجِدُ رِیْحِ یُوسُفَ لَوْ لَا اَنْ تُفْنِدُوْنَ﴾  
”میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں“ اگر تم میرا تمسخر نہ اڑاؤ“ اور یہ نہ سمجھو کہ بات مجھ سے غیر شعوری طور پر صادر ہوئی  
ہے، کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے اس حال میں ان کی طرف سے تعجب کا مظاہرہ ہی دیکھا جو اس قول کا موجب بنا۔

پس وہی کچھ ہوا جو حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھتے تھے، چنانچہ وہ کہنے لگے: ﴿تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِی ضَلٰلٰکَ

الْقَدِیْمِ﴾ ”اللہ کی قسم! آپ تو اسی پرانی غلطی میں ہیں“، یعنی آپ تو ہمیشہ محبت کے سمندر میں سرگرداں رہیں گے

آپ نہیں جانتے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ﴾ ”پس جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا“، یعنی جب اپنی حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بھائیوں اور ان کے باپ کے اجتماع کی خوشخبری لے کر آیا ﴿الْقَهْلُ﴾ ”تو ڈال دیا اس کو“، یعنی قمیص کو ﴿عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا﴾ ”ان کے چہرے پر جس سے وہ دوبارہ دیکھنے والے ہو گئے“، یعنی یعقوب علیہ السلام اپنی پہلی سی بصارت والی حالت میں آ گئے حالانکہ غم و اندوہ کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ یعقوب علیہ السلام نے ان لوگوں سے..... جو وہاں موجود تھے اور جو ان کی رائے کو جھٹلاتے رہے تھے اور ان پر تعجب کر رہے تھے..... اللہ تعالیٰ کی نعمت پر خوش ہو کر فاتحانہ انداز میں کہا: ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں اللہ سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے“، کیونکہ میں یوسف علیہ السلام کے ملنے کی امید رکھتا تھا اور حزن و غم کے ختم ہونے کا منتظر تھا۔

جب یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہوئے کہا: ﴿يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ﴾ ”ابا جان! ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب کریں بے شک ہم گناہ گار تھے“، کیونکہ ہم نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی بنا پر ہم خطا کار ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ یعقوب علیہ السلام نے ان کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے جواب دیا: ﴿سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ”میں ضرور تمہارے لئے اپنے رب سے بخشش مانگوں گا بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے“۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ تمہیں بخش دے گا، تم پر رحم کرے گا اور تمہیں اپنی رحمت سے ڈھانپ دے گا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب نے ان کے لیے استغفار کو فضیلت والے وقت سحر تک موخر کر دیا تاکہ استغفار کامل ترین اور قبولیت کے قریب ترین ہو۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوِيهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ أَبَوِيهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ

چاہا اللہ نے اس سے ○ اور اس نے اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو اوپر تخت کے، اور گر پڑے وہ سب واسطے اسکے سجدہ کرتے ہوئے،

وَقَالَ يَأْبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۖ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ

اور یوسف نے کہا، اے میرے باپ! یہ ہے تعبیر میرے خواب کی جو اس سے پہلے (دیکھا) تھا، تحقیق کر دیا ہے اے میرے رب نے سچا،

وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ ۖ

اور تحقیق احسان کیا اس نے میرے ساتھ جب اس نے نکالا مجھے قید خانے سے اور لے آیا تمہیں (یہاں) صحرا سے،

مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۚ إِنَّ رَبِّي

بعد اس کے کہ اختلاف ڈال دیا تھا شیطان نے درمیان میرے اور درمیان میرے بھائیوں کے، بے شک میرا رب



## لَطِيفٌ لِّهَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

خوب تدبیر کرنے والا ہے واسطے اس کے جو وہ چاہتا ہے، بے شک وہی ہے خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ○

﴿فَلَمَّا﴾ جب یعقوب ؑ ان کے بیٹے اور تمام گھروالے تیار ہو کر اپنے ملک فلسطین سے روانہ ہوئے ان کا مقصد مصر میں حضرت یوسف ؑ کے پاس پہنچ کر وہاں آباد ہونا تھا، پس جب وہ مصر پہنچ گئے ﴿دَخَلُوا عَلَىٰ يَوْسَفَ أَوْىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ﴾ وہ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی یعنی حضرت یوسف ؑ نے اپنے ماں باپ کو اپنے ساتھ بٹھایا ان کو اپنا قرب عطا کیا اور ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک اور نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آئے۔ ﴿وَقَالَ﴾ اور اپنے تمام گھر والوں سے کہا: ﴿ادْخُلُوا مِصْرَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ﴾ ”داخل ہو مصر میں اگر اللہ نے چاہا“ بے خوف ہو کر، ہر قسم کے خطرناک حالات اور سختیوں سے محفوظ ہو۔ وہ اسی حالت میں مصر میں داخل ہوئے ان سے تمام سختی اور معاشی تنگی دور ہو گئی اور بہجت و سرور حاصل ہو گیا۔ ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر“ یعنی انہیں شاہی تخت اور مقام عزت پر بٹھایا ﴿وَحَزَّوْا لَهُ سُجَّدًا﴾ ”اور سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے“ یعنی یوسف ؑ کے والدین اور ان کے بھائی ان کی تعظیم اور عزت و اکرام کے لیے ان کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ ﴿وَقَالَ﴾ جب یوسف ؑ نے انہیں اس حالت میں دیکھا کہ وہ ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں تو کہنے لگے: ﴿يَا بَتِ هَذَا تَوَاضَعُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”ابا جان! یہ ہے تعبیر میرے خواب کی جو اس سے پہلے دیکھا تھا“ یعنی جب یوسف ؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ تھی اس خواب کی تعبیر جو اس مقام پر پہنچ کر پوری ہوئی۔ ﴿قَدْ جَعَلْنَا رُبِّي حَقًّا﴾ ”میرے رب نے اسے سچ کر دیا“ یعنی میرے رب نے اس خواب کو حقیقت بنا دکھایا اور اسے خواب پریشان نہ بنایا۔ ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بَيِّ﴾ ”اور اس نے مجھ پر بڑا احسان کیا“ ﴿إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السَّبْحِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ﴾ ”جب اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم کو گواؤں سے (یہاں) لے آیا“ یہ یوسف ؑ کی مہربانی اور حسن مخاطب ہے کہ انہوں نے اپنے بھائیوں کے لئے اتمام غم کی خاطر اپنی حالت قید کا تو ذکر کیا مگر اندھے کنوئیں میں ان پر جو کچھ گزری اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ انہوں نے اپنے بھائیوں کے قصور کا ذکر کیا نیز ان کو صحرا سے مصر لانے میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر کیا۔

یوسف ؑ نے یہ پیرایہ بھی اختیار نہیں کیا کہ ”تمہیں بھوک اور بد حالی سے نکال کر یہاں لایا“ نہ یہ کہا ”اس نے تم پر احسان کیا“ بلکہ کہا ”اس نے مجھ پر احسان فرمایا“ اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو اپنی طرف لوٹایا۔ نہایت بابرکت ہے وہ ذات جو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتی ہے اپنی رحمت کے لیے مختص کر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے

بندوں کو اپنی طرف سے بے پایاں رحمت سے نوازتا ہے وہ بہت زیادہ نوازشات کرنے والا ہے۔

﴿مَنْ بَعْدَ أَنْ نَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي﴾ ”بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا“ اور یہ نہیں کہا: ﴿نَزَعَ الشَّيْطَانُ إِخْوَتِي﴾ ”شیطان نے میرے بھائیوں کو بہکا دیا“ بلکہ پیرایہ یہ استعمال کیا گیا گویا گناہ اور جہالت دونوں طرف سے صادر ہوئی..... تمام ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے شیطان کو رسوا کر کے دھتکار دیا اور اس انتہائی تکلیف دہ جدائی کے بعد اس نے ہمیں پھر اکٹھا کر دیا۔ ﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ﴾ ”بے شک میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہتا ہے“ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے کرم اور احسان سے اس طرح نوازتا ہے کہ اسے شعور تک نہیں ہوتا اور بعض ناپسندیدہ امور کے ذریعے سے بلند ترین منازل پر پہنچا دیتا ہے۔ ﴿إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ﴾ ”بے شک وہ جاننے والا“ یعنی وہ جو تمام معاملات کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور وہ بندوں کے ضمیر میں نہاں رازوں کو بھی جانتا ہے۔ ﴿الْحَكِيمُ﴾ وہ حکمت والا ہے اور تمام اشیاء کو ان کے لائق مقام پر رکھتا ہے اور تمام امور کو ان کے اوقات مقررہ پر وقوع پذیر کرتا ہے۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ  
اے میرے رب! تحقیق دی تو نے مجھے کچھ بادشاہی، اور سکھائی تو نے مجھے تعبیر خوابوں کی،  
فَاطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں

تَوَقَّنِي مُسْلِمًا وَالْحَقِّقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۱﴾

تو فوت کر مجھے مسلمان اور ملا دے مجھے ساتھ صالحین کے ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں مکمل اقتدار عطا کر دیا اور ان کے والدین اور بھائیوں کی ملاقات کے ذریعے سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں تو یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اقرار کرتے اس پر اس کا شکر ادا کرتے اور اسلام پر ثبات اور استقامت کی دعا کرتے ہوئے کہا: ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ﴾ ”اے رب تو نے مجھے بادشاہی سے حصہ دیا“ یہ انہوں نے اس لئے کہا تھا کہ وہ زمین کے خزانوں کے منتظم اور بادشاہ کے بہت بڑے وزیر تھے۔ ﴿وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ”اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا“ یعنی تو نے مجھے آسمانی کتاب کی تفسیر اور خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا۔ ﴿فَاطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَقَّنِي مُسْلِمًا﴾ ”اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں“ مجھے اسلام پر موت دے، یعنی مجھے اسلام پر قائم اور ثابت قدم رکھ حتیٰ کہ اسلام ہی پر مجھے وفات دے۔ یہ دعا موت کے جلدی آنے کی دعا نہیں ہے۔ ﴿وَالْحَقِّقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾



”اور مجھے نیک بندوں میں داخل کر دیجئے۔“ یعنی مجھے انبیاء و ابرار اپنے چنے ہوئے اور بہترین بندوں میں شامل کر۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

یہ کچھ خبریں ہیں غیب کی، ہم وحی کرتے ہیں یہ آپ کی طرف، اور نہیں تھے آپ پاس ان (برادران یوسف) کے

اِذْ اجْعَلُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿١٦﴾

جب اتفاق کیا تھا انہوں نے اپنے معاملے پر، اور وہ مکر و فریب کرتے تھے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول مصطفیٰ ﷺ پر یہ قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ خبر جس سے ہم نے آپ کو آگاہ کیا ہے۔ ﴿مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ ”غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں“ اور اگر ہم آپ کی طرف وحی نہ کرتے تو اس جلیل القدر واقعہ کی خبر آپ تک نہ پہنچ سکتی۔ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ﴾ ”اور آپ ان کے پاس موجود نہ تھے“ ﴿اِذْ اجْعَلُوْا اَمْرَهُمْ﴾ ”جب وہ اتفاق کر رہے تھے اپنے کام پر“ یعنی یوسف کے بھائی فریب پر اتفاق کر رہے تھے۔ ﴿وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ﴾ ”اور وہ چال چل رہے تھے۔“ جب کہ ان کے اور ان کے باپ کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے اس طرح سازش کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی اور نہ کسی کے لیے یہ ممکن ہی تھا کہ اصل واقعہ معلوم کر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اصل واقعہ سے آگاہ نہ کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد وہ حالات بیان فرمائے جن کا علم اللہ کی وحی کے بغیر مخلوق کو حاصل نہیں ہو سکتا، تو وہاں فرمایا: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوسٰى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ.....﴾ (القصص: ۲۸/۴) ”اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی تو آپ طور کے غربی جانب نہ تھے اور نہ آپ اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے والے تھے۔“ اور یہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔

وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ

اور نہیں اکثر لوگ، اگر چہ آپ حرص رکھیں، ایمان لانے والے ○ اور نہیں مانگتے آپ ان (مشرکین مکہ) سے اوپر اس (تبلیغ) کے

مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٨﴾ وَكَآيِنٌ مِّنْ اٰيَةِ فِي السَّمٰوٰتِ

کوئی اجر نہیں ہے وہ (قرآن) مگر نصیحت جہان والوں کے لیے ○ اور کتنی ہی نشانیاں ہیں (توحید اور قدرت الہی کی) آسمانوں

وَالْاَرْضِ يَمْشُوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٩﴾ وَمَا يُوْمِنُ اَكْثَرُهُمْ

اور زمین میں کہ وہ گزرتے ہیں ان پر سے، اور وہ ان سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں ○ اور نہیں ایمان لاتے اکثر انکے

بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَفَاَمِنُوْا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

ساتھ اللہ کے مگر وہ مشرک ہی ہوتے ہیں ○ کیا پس وہ بے خوف ہیں اس سے کہ آئے ان کے پاس چھا جانے والا کوئی

## عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٤﴾

عذاب اللہ کا یا آئے ان کے پاس قیامت اچانک، اور وہ نہ آگاہی رکھتے ہوں؟ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ﴾ ”اور نہیں ہیں اکثر لوگ“ اگرچہ آپ ان کے ایمان کی شدید خواہش رکھتے ہوں، ﴿بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”ایمان لانے والے“۔ کیونکہ ان کے مدارک و مقاصد فاسد ہو چکے ہیں اس لئے خیر خواہوں کی خیر خواہی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگرچہ موانع معدوم ہی کیوں نہ ہوں، یعنی اگرچہ یہ خیر خواہ انہیں تعلیم دیتے رہیں انہیں ان امور کی طرف بلاتے رہیں جن میں ان کے لیے بھلائی اور ان سے شرک و فتنہ ہے، خواہ یہ خیر خواہ اپنی صداقت پر شواہد آیات اور دلائل ہی کیوں نہ پیش کریں۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ ”اور آپ ان سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتے“ یہ تو صرف جہانوں کے لئے نصیحت ہے، اس کے ذریعے سے یہ نصیحت حاصل کرتے ہیں کہ کون سی چیز فائدہ مند ہے، تاکہ اس پر عمل کریں اور کون سی چیز نقصان دہ ہے تاکہ اسے چھوڑ دیں۔

﴿وَكَأَيِّنْ﴾ ”اور کتنی ہی“ ﴿مِنْ آيَةٍ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا﴾ ”نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں، جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے“ جو توحید الہی پر دلالت کرتی ہیں ﴿وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ ”اور یہ ان سے روگردانی کرتے ہیں۔“ ﴿وَ﴾ ”اور“ ان میں سے کچھ لوگوں میں کچھ ایمان پایا بھی جاتا ہے، تو ﴿مَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ ”ان اللہ کے ماننے والوں کی اکثریت مشرک ہے۔“، یعنی وہ اگرچہ توحید ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے مگر وہ توحید الوہیت میں شرک کرتے ہیں۔ پس یہ لوگ اب اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ ان پر نزول عذاب کے سوا کوئی بات باقی نہیں رہی اور یہ کہ ان کے پاس اچانک عذاب آ جائے اور وہ اپنے آپ کو محفوظ اور مامون سمجھتے ہوں۔

بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَأَمِنُوا﴾ ”کیا یہ بے خوف ہیں“، یعنی کیا ان افعال کا ارتکاب کرنے اور آیات الہی سے روگردانی کرنے والے اس بات سے بے خوف ہیں کہ ﴿إِنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ﴾ ”ان پر اللہ کا ایسا عذاب نازل ہو جو سب کو ڈھانپ لے“، اور ان کی جڑ کاٹ دے۔ ﴿أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ”یا ان پر قیامت کی گھڑی اچانک آ جائے“ ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”اور ان کو خبر نہ ہو“، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن چکے ہیں۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کریں اور ان اسباب کو ترک کر دیں جو ان کے لیے عذاب کا باعث ہیں۔



قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے، یہی ہے راستہ میرا، میں بلاتا ہوں (تمہیں) طرف اللہ کی، اور بصیرت کے ہوں میں اور وہ لوگ جنہوں نے میری پیروی کی،

وَسُبْحَنَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا

اور پاک ہے اللہ (شریکوں سے)، اور نہیں میں مشرکوں میں سے ○ اور نہیں بھیجے ہم نے پہلے آپ سے مگر مرد ہی،

نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

ہم وحی کرتے تھے انکی طرف، بستیوں کے رہنے والوں میں سے، کیا پس نہیں سیر کی انہوں نے زمین میں، پس دیکھتے وہ کہ کیا ہوا

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَكَ الْأَخِرَةُ خَيْرٌ

انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے؟ اور البتہ گھر آخرت کا بہت بہتر ہے

لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۹﴾

واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، کیا پس نہیں عقل پکڑتے تم؟ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿قُلْ﴾ ”(لوگوں سے) کہہ دیجئے!“ ﴿هَذِهِ

سَبِيلِي﴾ ”یہ میرا راستہ ہے“ جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں یہ راستہ اللہ تعالیٰ اور اس کے کرامت کے گھر

تک پہنچاتا ہے جو علم حق اس پر عمل کرنے اس کو ترجیح دینے اور اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص دین کو مضمّن ہے۔

﴿أَدْعُو إِلَى اللَّهِ﴾ ”میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں“ یعنی میں تمام مخلوق اور تمام بندوں کو اپنے رب کے پاس

پہنچنے پر آمادہ کرتا ہوں اور انہیں اس کی ترغیب دیتا ہوں اور انہیں ان تمام امور سے ڈراتا ہوں جو انہیں اللہ تعالیٰ

سے دور کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا﴾ ”سمجھ بوجھ کر“ یعنی میں اپنے دین کے بارے

میں بغیر کسی شک و شبہ کے پورے علم و یقین پر ہوں۔ ﴿وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ ”اور میرے متبعین بھی“ اسی طرح اللہ

تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں جیسے میں اللہ تعالیٰ کے معاملے میں پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اس کی طرف بلاتا

ہوں۔ ﴿وَسُبْحَنَ اللَّهِ﴾ ”اور اللہ پاک ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے تمام امور کی نسبت سے پاک ہے جو اس

کے کمال کے منافی ہیں اور اس کے جلال کے لائق نہیں۔ ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ”میں کسی بھی معاملے

میں مشرکین میں شامل نہیں۔“ بلکہ دین کو صرف اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا﴾ ”اور ہم نے آپ سے پہلے صرف مرد ہی رسول بنا کر بھیجے“ یعنی

ہم انسانوں کی ہدایت کے لیے فرشتے یا کوئی اور مخلوق نہیں بھیجتے۔ تب آپ ﷺ کی قوم کو آپ کی رسالت میں

کون سی چیز انکوھی نظر آ رہی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کو ان پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ پس آپ کے لیے انبیائے

سابقین میں اسوۂ حسنہ ہے۔ ﴿نُوحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ﴾ ”ہم وحی کرتے تھے ان کی طرف، (وہ) بستیوں

کے رہنے والے ہیں، یعنی یہ انبیائے کرام صحراؤں میں رہنے والے نہیں تھے بلکہ بستیوں میں رہنے والے تھے جو سب سے زیادہ کامل عقل اور سب سے زیادہ صحیح رائے کے حامل تھے، تاکہ ان کا معاملہ نہایت واضح اور ان کی شان نمایاں ہو۔ ﴿أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ ”کیا پس انہوں نے زمین کی سیر نہیں کی؟“ جب وہ آپ ﷺ کی بات کی تصدیق نہیں کرتے تو پھر کیا انہوں نے چل پھر کر نہیں دیکھا ﴿فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”تو وہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا۔“ یعنی اور وہ دیکھتے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک کر ڈالا۔ لہذا تم بھی اس رویہ کو اختیار کرنے سے بچو جس رویے پر وہ قائم رہے ہیں ورنہ تم پر بھی وہی عذاب نازل ہو جائے گا جو ان پر نازل ہوا تھا۔ ﴿وَلَكِنْ آذُوا الْآخِرَةَ﴾ ”اور آخرت کا گھر“ یعنی جنت اور جنت کی دائمی نعمتیں ﴿خَيْرٌ لِّذَيْنِ اتَّقَوْا﴾ ”ان لوگوں کے لئے بہتر ہیں جو پرہیزگار ہیں“ جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور اس کے نواہی سے اجتناب کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، کیونکہ دنیا کی نعمتیں منقطع ہو کر ختم ہو جانے والی ہیں۔ آخرت کی نعمت کامل اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہے، بلکہ وہ ہمیشہ بڑھتی چلی جاتی ہے ﴿عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْدُوذٍ﴾ (ہود: ۱۰۸، ۱۱: ۵) ”یہ (اللہ تعالیٰ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی“ ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ”کیا تم سمجھتے نہیں۔“ یعنی کیا تمہارے پاس اتنی سی بھی عقل نہیں جو اعلیٰ کو ادنیٰ پر ترجیح دے سکے۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا ۖ فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۱﴾ لَقَدْ كَانَ پھر نجات دی گئی اسے جسے ہم چاہتے تھے، اور نہیں پھیرا جاتا عذاب ہمارا مجرم قوم سے ۱۱ البتہ تحقیق ہے فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ ان کے بیان (احوال) میں عبرت واسطے عقل والوں کے، نہیں ہے یہ (قرآن) ایسی بات کہ گھڑی گئی ہو، لیکن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى (یہ تو) تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے اور تفصیل ہے ہر چیز کی، اور ہدایت ہے

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾

اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ انبیاء کرام کو مبعوث فرماتا ہے ان کی قوم کے مجرم اور لئیم لوگ انہیں جھٹلا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے کہ وہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت پر مہلت دیئے چلا جاتا ہے یہاں تک کہ انبیاء کرام پر ان کی سختیاں انتہا کو پہنچ جاتی ہیں اور انبیاء و مرسلین یقین کامل اور اللہ تعالیٰ کے



وعدو و عید کی تصدیق کے باوجود کبھی کبھی ان کے دل میں مایوسی کا کوئی خیال ساگزرتا ہے اور ان کے علم اور یقین میں ایک قسم کا ضعف سا آ جاتا ہے۔ جب معاملہ اس حال کو پہنچ جاتا ہے ﴿جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَشَاءُ﴾ ”تو ان کے پاس ہماری مدد پہنچ گئی، پس جن کو ہم نے چاہا، نجات دے دی گئی“ اس سے مراد انبیاء و رسل اور ان کے تابعین ہیں۔ ﴿وَلَا يَرُدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”اور ہمارا عذاب مجرموں سے پھر نہیں کرتا۔“ یعنی ہمارے عذاب کو مجرموں اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جرأت کرنے والے پر سے دور نہیں کیا جاسکتا۔ ان کی کوئی پیش چل سکے گی نہ ان کی کوئی مدد کر سکے گا۔

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ﴾ ”ان کے قصے میں۔“ یعنی انبیاء و رسل کے اپنی قوم کے ساتھ قصے میں ﴿عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ”عقل والوں کے لئے عبرت ہے“ یعنی وہ اہل خیر اور اہل شر کے بارے میں عبرت لیتے ہیں۔ جو کوئی ان جیسے افعال کا ارتکاب کرے گا تو اپنے فعل کے مطابق کرامت یا اہانت کا مستحق ٹھہرے گا۔ وہ ان قصوں میں سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی عظیم حکمت کا استنباط کرتے ہیں۔ نیز وہ ان قصوں سے اس حقیقت کو اخذ کرتے ہیں کہ اللہ واحد کے سوا عبادت کسی کے لیے مناسب نہیں۔

﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى﴾ ”یہ ایسی بات نہیں جو بنالی گئی ہو۔“ یعنی یہ قرآن جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمہیں غیب کی خبروں سے آگاہ کرتا ہے، گھڑی ہوئی باتوں اور خود ساختہ کہانیوں پر مشتمل نہیں ہے۔ ﴿وَلَكِنْ تَصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ”بلکہ جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں ان کی تصدیق کرنے والا ہے۔“ بلکہ کتب سابقہ کی تصدیق، ان کی موافقت اور ان کی صحت کی شہادت پر مشتمل ہے۔ ﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”اور ہر چیز کی تفصیل ہے“ بندے جن کے محتاج ہیں، مثلاً دین کے اصول و فروع اور دلائل و براہین۔ ﴿وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے“ یعنی اس سبب سے کہ اس قرآن کے ذریعے سے انہیں جو حق کا علم حاصل ہوتا ہے اور وہ حق کو ترجیح دیتے ہیں..... انہیں ہدایت حاصل ہوتی ہے اور انہیں جو دنیاوی یا اخروی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعے سے رحمت سے نوازے جاتے ہیں۔

ضمیمہ: اس عظیم قصہ میں بعض فوائد اور عبرتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر یہ مشتمل ہے۔ اس قصہ کی ابتدا میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ”ہم آپ پر بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔“ اور فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٍ لِّلَّذِينَ يُهْتَدُونَ﴾ ”یوسف اور اس کے بھائیوں (کے واقعے) میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔“ اور سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ﴾ ”ان کے واقعات میں عبرتیں ہیں۔“ یہ فوائد ان فوائد کے علاوہ ہیں جو (سورت کی تفسیر کے دوران) گزشتہ صفحات میں گزر چکے ہیں۔

(۱) یہ قصہ سب سے اچھا سب سے واضح اور سب سے صریح قصہ ہے، کیونکہ یہ مختلف انواع کے انتقال پر مشتمل ہے، مثلاً ایک حال سے دوسرے حال میں، ایک امتحان سے دوسرے امتحان میں، امتحان سے اللہ تعالیٰ کی نوازشات میں، ذلت سے عزت میں، غلامی سے بادشاہی میں، تفرقہ و تشتت سے اجتماع و اتحاد میں، حزن و غم سے مسرت و سرور میں، فراخی سے قحط میں، قحط سے شادابی میں، تنگی سے وسعت میں اور انکار سے اقرار میں انتقال۔ پس نہایت بابرکت ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جس نے یہ قصہ نہایت خوبصورت اور واضح اسلوب میں بیان کیا۔

(۲) اس سورہ مبارکہ میں خواب کی تعبیر کی اصل بیان کی گئی ہے، کیونکہ علم تعبیر اہم علوم میں شمار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے یہ عطا کرتا ہے۔ غالب طور پر علم تعبیر نام اور صفات میں مناسبت اور مشابہت پر مبنی ہے، کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج، چاند اور ستارے ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اس خواب میں مناسبت کا پہلو یہ ہے کہ روشنی کے تینوں ذرائع آسمان کی زینت اور اس کا حسن و جمال ہیں اور انہی پر اس کے فوائد کا دار و مدار ہے۔ اسی طرح انبیاء اور علماء زمین کی زینت اور اس کا حسن و جمال ہیں۔ جیسے اندھیروں میں ستاروں سے راہ نمائی لی جاتی ہے، اسی طرح گمراہی کی تاریکیوں میں انبیاء اور علماء راہ دکھاتے ہیں۔ نیز حضرت یوسف علیہ السلام کے ماں اور باپ اصل ہیں اور ان کے بھائی فرع ہیں۔ پس مناسبت کا تقاضا یہ ہے کہ اصل، روشنی میں بھی اپنی فرع سے سب سے زیادہ بڑا ہو اور حجم کے اعتبار سے بھی عظیم تر۔ اس لئے سورج سے یوسف علیہ السلام کی ماں چاند سے ان کے باپ اور ستاروں سے ان کے بھائی مراد ہیں اور ان میں مناسبت کا پہلو یہ ہے کہ الشمس ایک مونث لفظ ہے، لہذا اس کی مناسبت ماں سے ہے۔ القمر اور الکواکب مذکر ہیں اس لئے ان کی مناسبت باپ اور بھائیوں سے ہے۔

نیز اس خواب میں مناسبت کا پہلو یہ بھی ہے کہ سجدہ کرنے والا مسجودہ کے لئے معظّم و محترم اور مسجودہ معظّم و محترم ہے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے نزدیک نہایت معظّم اور محترم ہوں گے اور اس کا لازم یہ ہے کہ وہ علم اور دیگر فضائل کے اعتبار سے صاحب فضیلت اور چنے ہوئے شخص ہوں گے اس لئے ان کے والد نے کہا تھا: ﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ (یوسف: ۶/۱۲) ”اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے باتوں کی تعبیر کا علم سکھا دے گا۔“

اور دونوں نوجوان قیدیوں کے خواب میں مناسبت یہ ہے کہ پہلے نوجوان نے خواب دیکھا کہ وہ شراب کشید کر رہا ہے اور وہ شخص جو شراب کشید کرتا ہو وہ عادتاً دوسروں کا خادم ہوتا ہے، شراب دوسروں کے لیے کشید کی جاتی



ہے اس لئے یوسف علیہ السلام نے اس کی یہ تعبیر کی کہ وہ اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور یہ چیز قید سے اس کی رہائی کو متضمن ہے۔

یوسف علیہ السلام نے دوسرے نوجوان کے خواب کی تعبیر جس نے خواب میں دیکھا تھا کہ اس نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں، یہ کی کہ اس کے سر کی کھال گوشت اور مغز وغیرہ جنہیں وہ اٹھائے ہوئے ہے کھول کر ایسی جگہ پھینک دیا جائے گا جہاں گوشت خور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ یوسف علیہ السلام نے اس کے احوال کو دیکھ کر اس کے خواب کی یہ تعبیر کی کہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور قتل کرنے کے بعد اسے صلیب پر لٹکایا جائے گا۔ یہ سب کچھ بھی ممکن ہے جب قتل کے بعد اسے صلیب پر چڑھایا گیا ہو۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب، جس میں اس نے گائیں اور اناج کی بالیاں دیکھی تھیں، کی تعبیر شادابی اور قحط سالی سے کی۔ اس میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ رعایا کے احوال اور اس کے مصالح کا دار و مدار بادشاہ پر ہوتا ہے اگر بادشاہ ٹھیک ہے تو رعایا بھی درست رہے گی اگر بادشاہ خراب ہے تو رعایا میں خرابیاں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی طرح سال بہ سال حالات کے ساتھ رعایا کے احوال مربوط ہیں رعایا کی درستی ان کا معاشی استحکام اور عدم استحکام کا دار و مدار سال بہ سال (موسمی) حالات پر ہے۔ رہی گائیں تو ان کے ذریعے سے زمین میں بل چلایا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے آپاشی کی جاتی ہے اگر شادابی کا سال ہو تو گائیں موٹی تازی ہو جاتی ہیں اور اگر قحط سالی ہو تو گائیں دہلی اور لاغر ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح شادابی کے سالوں میں اناج کے خوشے سرسبز اور بکثرت ہوتے ہیں۔ جبکہ خشک سالی میں یہ خوشے بہت کم پیدا ہوتے ہیں اور سوکھ جاتے ہیں اور زمین کا بہترین اناج خوشوں ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

(۳) یہ قصہ نبوت محمدی (صلوات اللہ وسلامہ علی صاحبہا) کی صحت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے یہ طویل قصہ بیان کیا درآں حالیکہ آپ نے گزشتہ انبیاء کی کتابیں پڑھی تھیں نہ کسی سے درس لیا تھا۔ آپ کی قوم نے آپ کا خوب اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے۔ آپ کے شب و روز آپ کی قوم کے سامنے تھے وہ خوب جانتے تھے کہ آپ اُٹنی ہیں، آپ لکھ سکتے ہیں نہ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ قصہ کتب سابقہ میں مذکور قصہ سے مطابقت رکھتا ہے حالانکہ آپ وہاں موجود نہ تھے جب یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے خلاف منصوبے بنا رہے تھے اور سازش کر رہے تھے۔

(۴) شر کے اسباب سے دور رہنا مناسب ہے۔ اسی طرح ایسے امور کو چھپانا مناسب ہے جن سے ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا: ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا﴾ اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا ورنہ وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے

سازشیں کریں گے۔“

(۵) کسی کے سامنے خیر خواہی کے طور پر ناپسندیدہ امور کا ذکر کرنا جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے ﴿فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا﴾ ”وہ تجھے آزار پہنچانے کے لیے سازشیں کریں گے۔“

(۶) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمت اس کے تمام متعلقین مثلاً اس کے گھر والوں، عزیز واقارب اور دوست احباب سب کے لیے نعمت ہوتی ہے اور بسا اوقات وہ اس نعمت میں سب کو شامل کر لیتا ہے اور ان کو بھی اس کے باعث وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے جو اسے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ﴾ ”اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور باتوں کی تعبیر کا علم دے گا اور تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی نعمت کا اتمام کرے گا۔“ جب یوسف علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام ہوا تو آل یعقوب کو بھی عزت و وقار اور ملک میں اقتدار حاصل ہوا اور یوسف علیہ السلام کے سبب سے انہیں بھی مسرت اور خوشی حاصل ہوئی۔

(۷) سورہ مقدسہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ عدل و انصاف تمام امور میں مطلوب و مقصود ہے بادشاہ کا اپنی رعیت وغیرہ کے ساتھ ہی انصاف کا معاملہ کرنا ضروری نہیں بلکہ محبت اور ترجیح دینے کے معاملے میں والد اور اولاد کے مابین بھی عدل و انصاف مطلوب ہے اگر والد کے انصاف میں خلل واقع ہو جائے تو اس کے تمام معاملے میں خلل واقع ہو جاتا ہے اور حالات خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ جب محبت کے معاملے میں یعقوب علیہ السلام نے یوسف کو ان کے بھائیوں پر ترجیح دی تو بھائیوں کی طرف سے خود ان پر ان کے باپ پر اور ان کے بھائی پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے۔

(۸) گناہوں کی نحوست سے بچنا چاہئے کیونکہ ایک گناہ اپنے ساتھ متعدد گناہ لاتا ہے اور بہت سے جرائم کے بعد اس گناہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ چنانچہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ کے مابین جدائی ڈالنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے بہت سے حیلے استعمال کئے متعدد بار جھوٹ بولا، انہوں نے یوسف علیہ السلام کی قمیص اور خون کے سلسلے میں باپ کے سامنے باطل افسانہ گھڑا۔ ان کے اس افسانے اور عشاء کے وقت روتے ہوئے آنے میں نرا جھوٹ تھا اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اس مدت کے دوران اس بارے میں بہت بحث و تحقیق ہوئی ہو بلکہ شاید یہ بحث اس وقت تک ہوتی رہی ہو جب تک کہ وہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ اکٹھے نہ ہوئے اور جب کبھی بحث ہوتی ہے تو جھوٹی خبریں اور افتر پردازی ضرور ہوتی ہے۔ یہ گناہ کی نحوست اور اس کے آثار ہیں۔



(۹) بندے کے احوال میں ابتدائی نقص میں عبرت نہیں ہوتی، بلکہ کمال انتہا میں عبرت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں سے ابتدائی طور پر جو کچھ صادر ہوا وہ نقص کا سب سے بڑا سبب اور ملامت کا موجب تھا مگر اس کی انتہا خالص توبہ اور یوسف علیہ السلام اور ان کے باپ کی طرف سے کامل معافی، مغفرت اور رحمت کی دعا پر ہوئی اور جب بندہ اپنے حق کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اس لئے صحیح ترین قول یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے اور اس کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَاَوْحَيْنَا اِلٰی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَاٰیضًا وَاٰیضًا وَاٰیضًا﴾ (النساء: ۱۶۳/۴) ”اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف۔“ یہاں ﴿اٰیضًا﴾ سے مراد یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے اور ان کی اولاد ہے۔ نیز ان کی نبوت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے خواب میں ان کو روشن ستاروں کے طور پر دیکھا اور ستاروں میں روشنی اور راہ نمائی ہوتی ہے<sup>①</sup> اور یہ انبیاء کے اوصاف ہیں اور اگر وہ نبی نہیں تھے تو وہ راہ نمائی کرنے والے علماء تھے۔

(۱۰) اللہ تبارک و تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو علم، حکم، مکارم اخلاق اور اللہ اور اس کے دین کی طرف دعوت سے نوازا۔ نیز یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی نوازش اور عنایت ہی تھی کہ انہوں نے اپنے خطا کار بھائیوں کو فوراً معاف کر دیا اور اس معافی کی تکمیل یہ کہہ کر کر دی کہ اب وہ ان کا کوئی مواخذہ کریں گے نہ اس پر انہیں کوئی عار دلائیں گے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے ماں باپ کے ساتھ عظیم نیکی کرنا اور اپنے بھائیوں بلکہ تمام مخلوق کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔

(۱۱) کچھ برائیاں دوسری برائیوں سے خفیف تر اور چھوٹی ہوتی ہیں۔ (اگر دو برائیوں میں سے ایک برائی کا ارتکاب ناگزیر ہو تو) اس برائی کا ارتکاب کرنا جس کا ضرر کم تر ہو اس برائی کے ارتکاب سے اولیٰ و افضل ہے جس کا ضرر بڑا ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں جب حضرت یوسف علیہ السلام کے قتل یا ان کو کہیں دور زمین میں پھینکنے پر اتفاق ہو گیا، تو ان میں سے ایک نے کہا: ﴿لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیْبَتٍ

① برادران یوسف کی نبوت کی یہ ”دلیل“ جن سے فاضل مفسر نے استدلال کیا ہے، کوئی واضح اور مضبوط دلیل نہیں۔ ان کے مقابلے میں عدم نبوت کی دلیل زیادہ واضح ہے، انہوں نے ایک ایسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا جس میں چھوٹے معصوم بچے کے ساتھ سنگ دانا اقدام اور ظلم و ستم ہے، قطع رحمی ہے، والدین کی نافرمانی اور ان کی ایذا رسانی ہے، جھوٹ کا ارتکاب ہے وغیرہ۔ انبیاء علیہم السلام سے ان حرکتوں کا صدور ممکن ہے؟ (مزید دیکھیے تفسیر فتح القدیر وابن کثیر، تفسیر سورہ یوسف آیت: ۱۰۹) علاوہ ازیں ”واوحینا“ کے لفظ سے بھی نبوت پر استدلال اپنے اندر کوئی قوت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ یہ لفظ غیر انبیاء کے لیے بھی قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔ (ص۔ ی)

**الْجُبِّ** ﴿يُوسُفَ قَوْلُ نَحْوِ كَلِمَةٍ﴾ ”یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی اندھے کنوئیں میں پھینک دو“۔ گویا اس کی تجویز سب سے بہتر اور نرم تجویز تھی۔ جس کے سبب سے ان کے بھائیوں سے ایک بہت بڑا گناہ مل گیا اور یہ بڑا گناہ ایک خفیف تر گناہ میں منتقل ہو گیا۔

(۱۲) جب کوئی چیز کاروبار میں دست بدست متداول ہو جائے اور وہ مال شمار ہونے لگے اور کاروبار کرنے والے کو اس کے غیر شرعی ہونے کا علم نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت کا کاروبار کرنے والے اس میں خدمت کرنے والے اس سے مفاد اٹھانے والے اور اس کو استعمال میں لانے والے کے لیے کوئی گناہ نہیں۔ حضرت یوسف کے بھائیوں نے انہیں بیع حرام کی صورت میں فروخت کیا تھا یہ بیع قطعاً جائز نہ تھی۔ پھر حضرت یوسف کو خریدنے والا قافلہ انہیں لے کر مصر چلا گیا اور وہاں لے جا کر فروخت کر دیا اور وہ اپنے آقا کے پاس غلام کے طور پر رہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو ”آقا“ کے نام سے موسوم کیا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پاس ایک مکرم غلام کے طور پر رہتے رہے۔

(۱۳) ان عورتوں کے ساتھ خلوت سے بچنا چاہئے جن سے فتنے کا خوف ہو۔ اسی طرح ایسی محبت سے بھی بچنا چاہئے جس سے نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے جو کچھ ہوا وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ خلوت اور ان کے ساتھ اس کی شدید محبت کے سبب سے ہوا، محبت نے اس عورت کو اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کے لیے ڈورے نہیں ڈالے، پھر ان پر بہتان لگایا اور یوسف علیہ السلام اس عورت کے بہتان کے سبب سے طویل مدت تک قید میں رہے۔

(۱۴) یوسف علیہ السلام نے اس عورت کے ساتھ ارادہ کیا پھر اسے اللہ تعالیٰ کی خاطر ترک کر دیا۔ اس ترک ارادہ نے حضرت یوسف کو اللہ تعالیٰ کے اور قریب کر دیا۔ کیونکہ اس قسم کا ارادہ نفس امارہ کے اسباب میں شمار ہوتا ہے جو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے اور اکثر لوگوں کی یہی فطرت ہے۔ پس جب انہوں نے اس ارادے کا اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت کے ساتھ تقابل کیا تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی خشیت نفس امارہ کے داعیے اور اس کی خواہش پر غالب آ گئی۔ گویا آپ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ (النَّازِعَات: ۴۰، ۱۷۹) ”جو کوئی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہشات سے روکتا رہا۔“ اور آپ، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق، ان سات قسم کے لوگوں میں سے ہیں جنہیں قیامت کے روز عرش کے سائے میں جگہ ملے گی، جس روز اس کے سائے کے سوا کہیں سایہ نہ ہوگا اور ان سات قسم کے لوگوں میں ایک وہ شخص ہوگا جسے حسن و جمال رکھنے والی اور منصب و حیثیت کی حامل کوئی عورت بدکاری کی دعوت دیتی ہے اور وہ



جواب میں کہتا ہے ”میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔“<sup>①</sup> اور وہ ارادہ جس پر بندہ قابل ملامت ہے وہ ارادہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو کر عزم بن جائے جس کے ساتھ بسا اوقات فعل مل جاتا ہے۔

(۱۵) جس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو جاتا ہے اور وہ تمام امور میں اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص سے کام لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان، صدق اور اخلاص کی برہان کے ذریعے سے مختلف اقسام کی برائیوں بے حیائی اور گناہوں کے اسباب سے مدافعت کرتا ہے۔ یہ مدافعت اس کے ایمان اور اخلاص کی جزا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ الشُّؤْمَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾ (النصر) کے یہ معنی لام کے کسرے کے ساتھ ہیں (جیسا کہ متداول قراءت میں ہے) اور اگر اسے لام کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اللہ تعالیٰ کا اسے اپنے لئے چن لینا اور یہ خود اس کے اخلاص کو متضمن ہے، یعنی جب بندہ اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے برائی اور بے حیائی سے پاک کر کے اسے اپنے لئے چن لیتا ہے۔

(۱۶) بندہ مومن کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ کوئی ایسا مقام دیکھے جہاں فتنہ اور معصیت کے اسباب موجود ہوں تو مقدور بھر وہاں سے نکلنے اور بھاگنے کی کوشش کرے تاکہ وہ گناہ سے بچ سکے کیونکہ جب یوسف علیہ السلام پر اس عورت نے، جس کے گھر میں وہ رہ رہے تھے، ڈورے ڈالنے شروع کئے تو وہ اس جگہ سے فرار ہو کر دروازے کی طرف بھاگے تاکہ وہ اس عورت کے شر سے بچ جائیں۔

(۱۷) اشتباہ کے موقع پر قرائن سے کام لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر خاوند اور بیوی گھر کے ساز و سامان کی ملکیت کے بارے میں جھگڑ پڑیں اور دونوں کے پاس اپنی ملکیت کا واضح ثبوت نہ ہو تو جو چیز مرد کے حال کے مطابق ہے وہ مرد کی ملکیت ہے اور جو عورت کے حال کے مطابق ہے وہ اس کی مالک ہے۔ اسی طرح اگر بڑھئی اور لوہار کسی اوزار کی ملکیت پر جھگڑ پڑیں اور دونوں میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ثبوت نہ ہو تو قرائن پر عمل کیا جائے گا۔ ملتی جلتی چیزوں اور نشان قدم میں قیافہ پر عمل کرنا بھی اسی باب میں شامل ہے۔ یوسف علیہ السلام کے گواہ نے قرینے کی گواہی دی تھی۔ اس نے قمیص کی پٹھن کو دیکھ کر قرینے کی گواہی دی اور قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کی صداقت اور اس عورت کے جھوٹے ہونے پر استدلال کیا۔

اس قاعدے کی صحت پر ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کی خرجی میں سے گیہوں نانپنے والے پیالے کے پائے جانے سے استدلال کرتے ہوئے بغیر کسی ثبوت اور اقرار کے اس پر چوری کا حکم لگایا گیا۔ پس اگر مال مسروقہ چور کے قبضے میں پایا جائے، خاص طور پر جبکہ وہ چوری کرنے میں معروف ہو تو اس پر

چوری کا حکم لگایا جائے گا اور یہ (یعنی) شہادت سے زیادہ مبلغ شہادت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص شراب کی قے کرتا ہے یا کوئی ایسی عورت جس کا شوہر یا آقا نہیں حاملہ پائی جاتی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی بشرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے قرینے کے اس فیصلے کو شاہد سے موسوم کیا ہے۔ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ (۱۸) حضرت یوسف علیہ السلام ظاہری اور باطنی حسن و جمال کے حامل تھے ان کا ظاہری حسن و جمال اس عورت کے لئے جس کے گھر میں حضرت یوسف علیہ السلام تھے اس امر کا موجب بنا جس کی تفصیل گزری اور اسی طرح ان کا حسن و جمال ان عورتوں کے لئے بھی جن کو عزیز مصر کی بیوی نے ان کے ملامت کرنے پر اکٹھا کیا تھا اس امر کا موجب بنا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور وہ بے ساختہ پکاراٹھیں ﴿مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ ”یہ شخص انسان نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔“

رہا ان کا باطنی حسن و جمال تو وہ ان کی عظیم عفت تھی۔ گناہ میں پڑنے کے بہت سے اسباب کے باوجود گناہ سے بچے رہے۔ اس کے بعد خود عزیز مصر کی بیوی اور ان عورتوں نے آپ کی عفت اور پاک دامنی کی شہادت دی۔ اس لئے عزیز مصر کی بیوی نے کہا: ﴿وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ﴾ ”میں نے اسے پھسلانے کی بھرپور کوشش کی تھی مگر وہ بچ نکلا“ اس کے بعد اس نے کہا: ﴿الَّذِي حَصَّصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَاِنَّهٗ لَكِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ ”اب حق واضح ہو گیا ہے میں نے ہی اسے پھسلانے کی کوشش کی تھی اور بے شک وہ سچا ہے“ عورتوں نے کہا: ﴿حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْءٍ﴾ ”حاشا للہ! ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی“

(۱۹) یوسف علیہ السلام نے معصیت کے مقابلے میں قید کو ترجیح دی۔ بندہ مومن کے یہی شایان شان ہے کہ اگر وہ دو امور کے بارے میں کسی آزمائش میں مبتلا ہو جائے۔ ایک طرف کسی معصیت کا ارتکاب ہو اور دوسری طرف دنیاوی عقوبت تو وہ گناہ کی بجائے، جو دنیا و آخرت میں سخت عقوبت کا موجب ہے، دنیاوی عقوبت کو ترجیح دے۔ ایمان کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بندہ کفر کی طرف لوٹنے کو جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر سے بچالیا ہے، اسی طرح ناپسند کرے، جس طرح وہ آگ میں پھینکے جانے کو ناپسند کرتا ہے۔

(۲۰) بندہ مومن کے لئے مناسب یہی ہے کہ اسباب گناہ کے موجود ہونے پر اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آ کر اسی کی پناہ میں رہے اور اپنی قوت و اختیار سے دست بردار ہو جائے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ اَصْبُ الْیَہٰنَ وَاَكُنْ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ﴾ ”اگر تو نے ان کی چالوں کو مجھ سے دور نہ ہٹایا تو میں ان کی چالوں میں آ کر جاہلوں میں شامل ہو جاؤں گا۔“

(۲۱) جس طرح فراخی میں بندے پر اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا التزام واجب ہے اسی طرح تنگی میں بھی اس پر یہ



الترام واجب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہے جب وہ قید میں ڈال دیئے گئے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت پر قائم رہے اور ان دونوں جوان قیدیوں کو (جوان کے ساتھ قید میں ڈالے گئے تھے) توحید کی دعوت دی اور ان کو شرک سے روکا۔

یہ سیدنا یوسف علیہ السلام کی ذہانت تھی کہ جب انہوں نے دیکھا کہ ان نوجوان قیدیوں میں ان کی دعوت قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے..... کیونکہ وہ دونوں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے چنانچہ ان کا قول تھا ﴿إِنَّا نُرِيكَ مِنَ الْهُدَيْنِينَ﴾ اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لئے آئے اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی دیکھا کہ وہ ان کے پاس اپنے خواب کی تعبیر جاننے کا اشتیاق رکھتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان کو ان کے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے توحید کی دعوت دی تاکہ وہ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔

سب سے پہلے آپ نے ان کے سامنے واضح کیا کہ جس نے آپ کو علم و کمال کے اس مقام پر پہنچایا جسے وہ دیکھ رہے ہیں وہ ہے ایمان، توحید اور ان لوگوں کی ملت کو چھوڑ دینا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ زبان حال سے ان کو توحید کی دعوت دینا ہے۔ پھر آنجناب نے ان کو زبانِ قال سے توحید کی دعوت دی۔ آپ نے ان کے سامنے شرک کی خرابی بیان کی اور اس کی دلیل اور برہان پیش کی اور دلیل و برہان ہی کے ساتھ ان کے سامنے حقیقت توحید کو بیان کیا۔

(۲۲) معاملات میں اہم ترین معاملے سے ابتدا کرنی چاہیے۔ جب مفتی سے کوئی سوال کیا جائے اور اسل اس سوال سے زیادہ کسی اور چیز کا ضرورت مند ہو تو مفتی کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ سب سے پہلے اس چیز کی تعلیم دے جس کا وہ زیادہ حاجت مند ہے۔ یہ معلم کی خیر خواہی اس کی فطانت اور اس کے حسن تعلیم و ارشاد کی علامت ہے۔ جب نوجوان قیدیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے ان کو خواب کی تعبیر بتانے سے قبل اللہ وحدہ لا شریک کی طرف دعوت دی۔

(۲۳) اگر کوئی شخص کسی ناخوشگوار صورت حال اور کسی سختی میں گرفتار ہو جائے تو کسی ایسے شخص سے مدد لینا جو اس صورت حال سے نجات میں مددگار ثابت ہو سکتا ہو یا اسے اپنے حال سے آگاہ کرے تو یہ مخلوق کے پاس شکوے کے زمرے میں نہیں آتا کیونکہ اس کا تعلق امور عادیہ سے ہے۔ جو عرف عام میں لوگوں کی ایک دوسرے کی مدد کے ذریعے سے سرانجام پاتے ہیں۔ بنابرین یوسف علیہ السلام نے ان نوجوان قیدیوں میں سے جس کے رہا ہونے کی امید تھی اس سے کہا: ﴿اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ”اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا“ (۲۴) معلم کے لئے تاکید ہے کہ وہ تعلیم دینے میں کامل اخلاص سے کام لے اور اپنی تعلیم کو کسی سے معاوضہ میں

مال و جاہ یا کوئی منفعت حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ تعلیم دینے میں خیر خواہی سے کام لے جب تک سائل کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے معلم کو تکلیف پہنچے، تعلیم دینے سے یا اس کی خیر خواہی کرنے سے انکار نہ کرے۔ یوسف علیہ السلام نے ان دونوں جوان قیدیوں میں سے جس کو تاکید کی تھی کہ وہ اپنے آقا کے پاس ان کا ذکر کرے مگر اسے اپنے آقا کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا یاد نہ رہا۔ جب انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اسی نو جوان کو بھیجا وہ اس خواب کی تعبیر کے بارے میں پوچھنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے شخص اس بنا پر کہ اس نے ان کا ذکر اپنے آقا کے پاس نہیں کیا، اس پر ناراضی کا اظہار کیا نہ اس پر زبردستی کی بلکہ اس کے برعکس انہوں نے اسے ہر لحاظ سے اس کے سوال کا مکمل جواب دیا۔

(۲۵) مسئول کو چاہیے کہ وہ سوال کا جواب دیتے وقت سائل کی ایسے معاملے کی طرف راہنمائی کرے جو اس کے سوال سے متعلق اور اس کے لئے فائدہ مند ہو۔ اسے وہ راستہ دکھائے جس پر گامزن ہو کر وہ دین و دنیا میں فائدہ اٹھائے۔ یہ اس کی طرف سے کامل خیر خواہی، اس کی فطانت اور اس کا حسن ارشاد ہے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر کو صرف اس کے خواب کی تعبیر بتانے پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ آپ نے خواب کی تعبیر بتانے کے ساتھ ساتھ ان کی راہنمائی فرمائی کہ وہ شادابی کے سالوں میں بکثرت پیدا ہونے والے اناج اور محاصل کو ذخیرہ کرنے کے لئے کیا انتظامات کریں۔

(۲۶) اگر کوئی شخص اپنے ذمے کسی تہمت کو دور کرنے اور اپنی براءت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو ملامت نہیں کی جاسکتی بلکہ اس کا یہ فعل قابل ستائش ہے۔ جیسے جناب یوسف علیہ السلام نے اس وقت تک قید سے رہا ہونے سے انکار کر دیا تھا جب تک کہ ان عورتوں کے احوال کے ذریعے سے لوگوں کے سامنے آپ کی براءت نہ ہو جائے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

(۲۷) ان آیات کریمہ سے علم، یعنی علم شریعت و احکام، علم تعبیر، علم تدبیر اور علم تربیت کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے۔ نیز علم ظاہری شکل و صورت سے افضل ہے خواہ یہ ظاہری شکل و صورت، حسن یوسف ہی کو کیوں نہ پہنچ جائے، کیونکہ یوسف علیہ السلام کو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ابتلاء و محن اور قید و بند کا سامنا کرنا پڑا اور اپنے علم کے سبب سے انہیں عزت، سر بلندی اور زمین میں اقتدار حاصل ہوا۔ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی علم کے آثار اور اس کے موجبات ہیں۔

(۲۸) علم تعبیر، علوم شرعیہ میں شمار ہوتا ہے اس کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہونے والے کو ثواب حاصل ہوتا ہے اور خواب کی تعبیر فتویٰ میں داخل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ﴾



”اس بات کا فیصلہ کر دیا گیا جس کے بارے میں تم فتویٰ طلب کر رہے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا قول نقل فرمایا: ﴿أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ﴾ ”مجھے میرے خواب کے بارے میں فتویٰ دو“ نجات پانے والے نو جوان نے یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿أَفْتِنَا فِي سَنَعِ بَقَرَاتٍ﴾ ”ہمیں سات گایوں کے بارے میں فتویٰ دو“ ان تمام آیات میں تعبیر کے لئے فتویٰ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لئے علم کے بغیر خواب کی تعبیر نہیں بتانی چاہیے۔

(۲۹) اگر انسان اپنی کسی صفت کمال مثلاً علم یا عمل وغیرہ کے بارے میں کسی حقیقی مصلحت کے تحت لوگوں کو آگاہ کرتا ہے، نیز اس سے ریا کاری مقصود نہ ہو اور جھوٹ سے محفوظ ہو..... تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا: ﴿اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهَا﴾ ”مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے، میں حفاظت کرنے والا ہوں اور ان کے انتظام کا علم بھی رکھتا ہوں۔“ اسی طرح عہدہ قابلِ مذمت نہیں جبکہ اس عہدہ پر متعین شخص مقدور بھر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت کرتا ہو اور اسی طرح اس عہدے کے طلب کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ وہ کسی دوسرے سے زیادہ اس عہدے کا اہل ہو، عہدہ طلب کرنا اس وقت قابلِ مذمت ہے جب وہ اس عہدے کا اہل نہ ہو اور اس عہدے کی قابلیت رکھنے والا اس جیسا یا اس سے زیادہ قابلِ کوئی اور شخص موجود ہو۔ یا وہ اس عہدے کے ذریعے سے ان امور کو قائم کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو جن کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر اسے عہدہ حاصل کرنے سے روکا جائے گا۔

(۳۰) اللہ تبارک و تعالیٰ کا جود و کرم بحرِ بے کراں کی مانند ہے۔ وہ اپنے بندے کو دنیا و آخرت کی بھلائی سے نوازتا ہے۔ آخرت کی بھلائی کے دو اسباب ہیں..... ایمان اور تقویٰ..... آخرت کی بھلائی دنیاوی ثواب اور دنیاوی اقتدار سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کے لئے دعا کرتا رہے اور اسے اخروی ثواب کا شوق دلاتا رہے اور وہ نفس کو یوں نہ چھوڑ دے کہ وہ دنیا داروں کی زیب و زینت اور لذات کو دیکھ کر غم زدہ ہوتا رہے۔ درآں حالیکہ وہ ان کے حصول پر قادر نہ ہو بلکہ اس کے برعکس وہ اخروی ثواب اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ذریعے سے اسے تسلی دیتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُجْرُ الْآخِرَةَ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور تقویٰ سے انہوں نے کام لیا۔“

(۳۱) غلے اور اناج کو جمع اور ذخیرہ کر کے رکھنا جبکہ اس سے لوگوں کی فلاح و بہبود اور ان کے لئے وسعت مقصود ہو، اور اس سے لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو، کوئی حرج نہیں۔ یوسف علیہ السلام نے شادابی اور فراوانی

کے ایام میں غلے اور اناج کو جمع کر کے رکھنے کا حکم دیا، تاکہ خشک سالی کے ایام کا مقابلہ کرنے کی تیاری کی جاسکے اور اس طرح غلہ جمع کرنا توکل کے منافی نہیں؛ بلکہ بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور وہ تمام اسباب کام میں لائے جو اس کے لئے دین و دنیا میں فائدہ مند ہوں۔

(۳۲) یہ قصہ دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو زمین کے خزانوں کا منتظم مقرر کیا گیا تو انہوں نے حسن انتظام سے کام لیا یہاں تک کہ ان کے ہاں بکثرت اناج جمع ہو گیا اور دوسرے ملکوں سے لوگ غلہ اور خوراک حاصل کرنے کے لئے مصر کا قصد کرنے لگے؛ کیونکہ انہیں علم تھا کہ مصر میں غلہ بکثرت موجود ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام ہر آنے والے کو بقدر حاجت غلہ دیتے ہیں، وہ غلہ زیادہ دیتے تھے نہ کم۔ چنانچہ ہر آنے والے کو ایک بارشتر سے زیادہ غلہ نہیں دیتے تھے۔

(۳۳) مہمان نوازی مشروع ہے اور یہ انبیاء و مرسلین کی سنت ہے مہمان کی عزت و تکریم یوسف علیہ السلام کے اس قول سے مستفاد ہے ﴿أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں اناج پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں بہترین مہمانی کرتا ہوں“

(۳۴) قرینے کی دلیل موجود ہوتے ہوئے بدظنی ممنوع ہے نہ حرام۔ کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا اور ان کے بیٹوں نے سخت اصرار کیا اور جب انہوں نے جھوٹا بہانہ بنایا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا﴾ ”بلکہ تمہارے نفس نے تمہارے لئے ایک کام کو مزین کر کے آسان بنا دیا۔“ پھر یعقوب علیہ السلام نے دوسرے بھائی (بنیامین) کے بارے میں فرمایا: ﴿هَلْ أَمْنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمَنْتُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ﴾ ”کیا میں اس کے بارے میں بھی اسی طرح اعتماد کر لوں جس طرح میں نے اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں اعتماد کیا تھا“ اور جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روک لیا اور اس کے بھائی اپنے باپ یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے پھر یہی کہا:

﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا﴾ حالانکہ دوسری مرتبہ انہوں نے کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ البتہ ان سے ایک ایسا کام سرزد ہوا جس پر ان کے باپ کو یہ کہنا پڑا، جس میں کوئی گناہ اور حرج نہیں۔

(۳۵) نظربد کے اثرات کے سدباب یا اس کے اثر انداز ہونے کے بعد اس اثر کو ختم کرنے کے لئے اسباب کو استعمال کرنا ممنوع نہیں؛ بلکہ جائز ہے اگرچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہی سے واقع ہوتی ہے اور اسباب اختیار کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہی ہے؛ چنانچہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اسباب اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے ان سے فرمایا: ﴿يَبْنَئِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ﴾



”اے میرے بیٹو! ایک ہی دروازے میں سے شہر میں مت داخل ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔“ (۳۶) اس سورہ مقدسہ سے، حقوق کے حصول کے لئے، حیلہ سازی کا جواز مستفاد ہوتا ہے اور خفیہ طریقوں کو استعمال کر کے ایسی معلومات حاصل کرنا، جن کے ذریعے سے ان کے مقاصد تک پہنچنا آسان ہو، ایسے امور میں سے ہے، جس پر بندہ قابل ستائش ہے۔ صرف ایسی حیلہ سازی حرام اور ممنوع ہے جس سے کسی واجب کا اسقاط اور کسی حرام کا ارتکاب لازم آتا ہو۔

(۳۷) اس شخص کے لئے، جو کسی کو کسی ایسے معاملے میں وہم میں ڈالنا چاہتا ہے جس کے بارے میں اسے مطلع کرنا اسے پسند نہ ہو، مناسب ہے کہ وہ ایسی قولی اور فعلی تعارضات استعمال کرے، جو جھوٹ سے مانع ہوں۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے کیا تھا، چنانچہ انہوں نے گیتوں ناپنے والا بیٹا اپنے بھائی کی خرجی میں ڈلوادیا۔ پھر اس میں سے نکال دکھایا اور ظاہر کیا کہ وہ چور ہے اور اس میں اس کے بھائیوں کے لئے اس کے چور ہونے کا بس ایک قرینہ تھا۔

اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿مَعَادُ اللَّهِ إِنَّ تَأْخُذُ الْاَمَنَ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ﴾ ”اللہ کی پناہ! ہم اس شخص کو چھوڑ کر جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے دوسرے کو کیسے پکڑ سکتے ہیں۔“ نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا: (مَنْ سَرَقَ مَتَاعَنَا) ”جس نے ہمارا سامان چوری کیا“ اور نہ یہ فرمایا (اَنَا وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ) ”بے شک ہم نے اپنا سامان اس کے پاس پایا ہے۔“ بلکہ انہوں نے ایک ایسے اسلوب میں بات کی جس کا اطلاق ان کے بھائی کے علاوہ کسی اور پر بھی ہو سکتا تھا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے بچا جانا چاہیے اس میں صرف یہ ایہام ہے کہ وہ چور ہے تاکہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جو ان کے پیش نظر تھا اور ان کا بھائی ان کے پاس رہ سکے اور جب صورت حال واضح ہو گئی تو ان کے بھائی سے یہ ایہام بھی زائل ہو گیا۔

(۳۸) انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے علم، تحقیق، مشاہدہ اور قابل اعتماد خبر جس پر اطمینان نفس ہو..... کے علاوہ کسی اور چیز کے مطابق گواہی دے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا تھا: ﴿وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا﴾ ”ہم تو صرف اسی کے متعلق گواہی دے سکتے ہیں جس کے متعلق ہم جانتے ہیں۔“

(۳۹) یہ ایک عظیم آزمائش تھی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے چنے ہوئے بندے یعقوب علیہ السلام کو آزمایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے بیٹے یوسف علیہ السلام کے درمیان جدائی ڈال دی جن سے ایک گھڑی کے لئے جدا ہونا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اتنی سی جدائی بھی انہیں سخت غم زدہ کر دیتی تھی۔ پس طویل عرصے تک وہ ایک دوسرے سے جدا رہے جو تیس سال سے کم نہ تھا اس عرصہ کے دوران حزن و غم یعقوب علیہ السلام کے دل سے کبھی جدا نہ ہوا ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ

**كَلِيمٌ** ﴿۴۰﴾ ”غم سے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ غم میں گھل رہا تھا۔“ اور معاملہ اس وقت اور بھی زیادہ سخت ہو گیا جب ان کا دوسرا بیٹا یوسف کا حقیقی بھائی بھی ان سے جدا ہو گیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر کی امید میں اس کے حکم کے مطابق صبر کر رہے تھے انہوں نے اپنے آپ سے صبر کا عہد کر لیا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنے عہد پر پورے اترے۔ ان کا یہ قول صبر کے منافی نہیں ﴿إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس شکوہ کرنا صبر کے منافی نہیں ہوتا۔ صرف وہ شکوہ صبر کے منافی ہے جو مخلوق کے پاس کیا جائے۔

(۴۰) دکھ کے بعد سکھ اور تنگی کے بعد فراخی ضرور آتی ہے۔ یعقوب علیہ السلام پر رنج و غم کی مدت بہت طویل ہو گئی۔ شدت غم اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور آل یعقوب کو بد حالی نے لا چا کر دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان پر خوش حالی بھیج دی۔ انتہائی سخت حالات میں ان کی ملاقات ہوئی اور یوں اجر کی تکمیل ہو گئی اور انہیں راحت و سرور حاصل ہوا۔ اس سے یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو سختی اور نرمی، تنگ دستی اور فراخ دستی کے ذریعے سے آزماتا ہے تاکہ ان کے صبر و شکر کا امتحان لے اور اس طرح ان کے ایمان، یقین اور عرفان میں اضافہ ہو۔

(۴۱) اگر انسان اپنے موجودہ احوال یعنی کسی مرض اور فقر وغیرہ کے بارے میں ناراضی کا اظہار کئے بغیر کسی کو آگاہ کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الضَّرَّ﴾ ”اے عزیز مصر! ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو مصیبت اور بد حالی نے آگھیرا ہے۔“ اور ان کے اس قول پر حضرت یوسف علیہ السلام نے نکیر نہیں فرمائی۔

(۴۲) اس پورے قصے میں تقویٰ کی فضیلت مستفاد ہوتی ہے۔ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی تقویٰ اور صبر کے آثار کی وجہ سے ہے۔ اہل تقویٰ اور اہل صبر کا انجام بہترین انجام ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ نَاثِرٍ أَنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اللہ نے ہم پر احسان فرمایا ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور صبر سے کام لے تو اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

(۴۳) جس کسی کو شدید محتاجی اور بد حالی کے بعد اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے نوازا ہو اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کرے اور اپنی پہلی بد حالی اور محتاجی کو یاد رکھے تاکہ وہ اللہ کا شکر ادا کرتا رہے۔ جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُم مِّنَ الْبَدْوِ﴾ ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا ہے کہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم لوگوں کو صحرا سے یہاں لایا۔“



(۴۴) یوسف علیہ السلام پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا عظیم لطف و کرم تھا کہ اس نے آپ کو ان احوال سے منتقل کر کے غیبتوں اور مصائب میں مبتلا کیا، تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آپ کو اعلیٰ ترین منازل اور بلند ترین درجات پر فائز کرے۔

(۴۵) بندہ مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدمی کے لئے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑاتا رہے اور ایسے اسباب و سبب عمل لاتا رہے جو ایمان پر ثابت قدمی کے موجب ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے اتمام نعمت اور خاتمہ بالخیر کا سوال کرتا رہے۔ جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ﴾ اے میرے رب! تو نے مجھے اقتدار عطا کیا اور تو نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے دنیا و آخرت میں تو ہی میرا سرپرست ہے۔ اسلام پر مجھے موت دے اور مال کا ر مجھے نیک لوگوں کے ساتھ شامل کر۔ اس بابرکت قصے میں یہ چند نکات اور تعبیرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے میرے لئے آسان فرمایا اور ضروری ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس قصہ میں غور و فکر کرنے والے پر تعبیرات کے کچھ اور درپے واکر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے علم نافع اور عمل مقبول کا سوال کرتے ہیں بلاشبہ وہ جو دو کرم کا مالک ہے۔

### تفسیر سورۃ الرعد

ایمانھا ۴۳  
وَلَوْعَلَّهَا ۶

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

سُورَةُ الرَّعْدِ  
(۱۳) مَدَنِيَّةٌ (۱۹۶)

الْمَرَّةِ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ  
الْمَرَّةِ یہ آیتیں ہیں کتاب کی، اور وہ جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے، حق ہے،

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ①

لیکن اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ یہ قرآن کتاب اللہ کی آیات ہیں جو دین کے اصول و فروع میں ہر اس چیز کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جس کے بندے محتاج ہیں اور یہ قرآن جو رسول اللہ ﷺ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا وہ واضح حق ہے کیونکہ اس کی خبریں صدق پر مبنی اور اس کے اوامر و نواہی سراسر عدل ہیں اور قطعی دلائل و براہین ان کی تائید کرتے ہیں۔ جو کوئی اس کے علم کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہی حقیقی اہل علم میں شمار ہوتا ہے اور اس کا علم اس کے لئے عمل کا موجب بنتا ہے۔ ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ لیکن اکثر لوگ

ایمان نہیں لاتے۔“ یعنی اکثر لوگ یا تو (قرآن) سے جہالت اس سے روگردانی اور اس کی طرف عدم توجہ کی بنا پر یا محض عناد اور ظلم کی وجہ سے اس قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ بنا بریں اکثر لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اس کی وجہ اس سبب کا معدوم ہونا ہے جو فائدہ اٹھانے کا موجب ہے۔

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ  
 اللہ وہ ذات ہے جس نے بلند کئے آسمان بغیر ستونوں کے تم دیکھتے ہو ان کو، پھر مستوی ہوا وہ اوپر عرش کے،  
 وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ  
 اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے واسطے وقت مقرر کے، وہ تدبیر کرتا ہے کام کی، تفصیل سے بیان کرتا ہے  
 الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ① وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ  
 نشانیاں (اپنی) تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو ① اور وہی ہے (اللہ) جس نے بچھائی زمین  
 وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ  
 اور بنائے اس میں پہاڑ اور نہریں، اور ہر قسم کے پھلوں سے بنائے اس میں جوڑے،  
 اثْنَيْنِ يُغْشَى الْبَلَدِ النَّهَارُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ②  
 دو دو ڈھانپتا ہے رات سے دن کو بلاشبہ اس میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے ان لوگوں کے جو غور و فکر کرتے ہیں ②  
 وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَبَعَرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرُوعٌ وَنَخِيلٌ صُنُوفٌ  
 اور زمین میں ٹکڑے ہیں ایک دوسرے کے قریب قریب، اور (اسی طرح) باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں جڑ سے ملی ہوئی  
 وَغَيْرُ صُنُوفٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفُضِلُ بَعْضُهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأَكْلِ ③  
 اور جدا جدا سیراب کی جاتی ہیں ساتھ ایک ہی پانی کے، اور ہم فضیلت دیتے ہیں بعض کو بعض پر پھلوں (کے ذائقے) میں  
 إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ④

بے شک اس میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے ان لوگوں کے جو عقل رکھتے ہیں ④

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ تخلیق و تدبیر اور عظمت و سلطان میں منفرد ہے اس کی یہ وحدانیت دلالت کرتی ہے کہ وہ اکیلا معبود ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں کرنی چاہیے، چنانچہ فرمایا: ﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ﴾  
 ”اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا“ آسمانوں کے بہت بڑے اور بہت وسیع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند کر رکھا ہے۔ ﴿بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ”ستونوں کے بغیر جیسا کہ تم دیکھتے ہو“ یعنی آسمانوں کو سہارا دینے کے لئے ان کے نیچے کوئی ستون نہیں اور ان کو ستون نے سہارا دیا ہوتا تو وہ تمہیں ضرور دکھائی دیتے۔  
 ﴿ثُمَّ﴾ ”پھر“ یعنی آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد ﴿اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”وہ عرش پر مستوی ہوا۔“ وہ



عرش عظیم جو اعلیٰ ترین مخلوق ہے۔ استواء کی کیفیت وہ ہے جو اس کے جلال کے لائق اور اس کے کمال کے مناسب ہے۔ ﴿وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ﴾ ”اور سورج اور چاند کو مخر کر دیا“۔ بندوں کے مصالح نیز ان کے مویشیوں، باغات اور کھیتوں کے مصالح کی خاطر۔ ﴿حُلَّ﴾ ”ہر ایک“، یعنی چاند اور سورج ﴿يَجْرِي﴾ ”چل رہا ہے“، یعنی غالب اور علم والی ہستی کے مقرر کردہ اندازے پر چل رہا ہے۔ ﴿لِاجَلِّ مُسْنًى﴾ ”ایک وقت مقرر تک“ دونوں ایک منظم رفتار سے چل رہے ہیں جس میں کوئی فرق آتا ہے نہ ان کی رفتار میں کوئی سستی آتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت مقرر آ جائے گا اور اللہ اس جہان آب و گل کی بساط لپیٹ دے گا اور بندوں کو دار آخرت میں منتقل کر دے گا۔ جو ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔ تب اس وقت اللہ تعالیٰ ان آسمانوں کو لپیٹ دے گا اور ان کو اور ہی آسمانوں سے بدل دے گا اور اسی طرح اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دے گا۔ سورج اور چاند بے نور کر دیئے جائیں گے اور ان کو اکٹھا کر کے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ تاکہ ان کی عبادت کرنے والے دیکھ لیں کہ وہ عبادت کے مستحق نہ تھے تاکہ وہ سخت حسرت زدہ ہوں اور کفار کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔

﴿يَذَرُ الْأَمْرَ يُفْصِلُ الْآيَاتِ﴾ ”تدبیر کرتا ہے کام کی“ وہ کھول کر بیان کرتا ہے آیتوں کو، یہاں خلق و امر کو اکٹھا بیان کیا گیا ہے یعنی اللہ عظمت والا تخت اقتدار پر مستوی ہے اور وہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تدبیر کر رہا ہے پس وہی پیدا کرتا ہے اور رزق عطا کرتا ہے، وہی غنی کرتا اور محتاج کرتا ہے، وہ کچھ قوموں کو سر بلند کرتا ہے اور کچھ قوموں کو قعر مذلت میں گر ادیتا ہے، وہی عزت عطا کرتا ہے، وہی ذلت سے ہمکنار کرتا ہے، وہی گراتا ہے اور وہی رفعتیں عطا کرتا ہے، وہی لغزشوں پر عذر قبول کرتا ہے، وہی مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کرتا ہے، وہی تقدیر کو اس کے وقت مقرر پر نافذ کرتا ہے، جو اس کے احاطہ علم میں ہے اور جس پر اس کا علم جاری ہو چکا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان فرشتوں کو تدبیر کائنات کے لئے بھیجتا ہے جن کو اس تدبیر کے لئے مقرر کر رکھا ہے۔

وہ کتب الہی کو اپنے رسولوں پر نازل فرماتا ہے، احکام شریعت اور اوامر و نواہی کو جن کے بندے سخت محتاج ہیں، کھول کھول کر بیان کرتا ہے توضیح، تبیین اور تمیز کے ذریعے ان کی تفصیل بیان کرتا ہے ﴿لَعَلَّكُمْ﴾ ”شاید کہ تم“، یعنی اس سبب سے کہ اس نے تمہیں آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں اور تم پر آیات قرآنیہ نازل فرمائیں ﴿بَلَقَاءَ رَبِّكُمْ تَوْقُونُ﴾ ”اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو“۔ کیونکہ دلائل کی کثرت اور ان کی توضیح و تبیین تمام امور الہیہ میں خاص طور پر بڑے بڑے عقائد مثلاً زندگی بعد موت اور قبروں سے نکلنے میں یقین کے حصول کا سبب بنتی ہے۔ نیز ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ﴿حَكِيمٌ﴾ ”حکمت والا“ ہے وہ مخلوق کو بے فائدہ پیدا نہیں کرتا، نہ وہ ان کو عبث چھوڑے گا۔ پس جیسے اس نے انبیاء و مرسلین مبعوث کئے اور بندوں کے لئے اوامر و نواہی کی خاطر کتابیں نازل فرمائیں۔ تب یہ ضروری ٹھہرا کہ وہ بندوں کو ایک ایسے جہاں میں منتقل کرے جہاں انہیں

ان کے اعمال کی جزا دی جائے۔ نیکو کاروں کو بہترین بدلہ اور بدکاروں کو ان کی بدی کا بدلہ۔

﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ﴾ ”وہی ہے جس نے پھیلائی زمین“، یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اپنے بندوں کے لئے تخلیق کیا، اس کو وسعت بخشی، اس میں برکت عطا کی، اپنے بندوں کے لئے اس کو پھیلا یا اور اس کے اندر ان کے لئے فوائد و مصالح و دیعت کئے۔ ﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ﴾ ”اور رکھے اس میں پہاڑ“، یعنی زمین پر بڑے بڑے پہاڑ رکھ دیئے تاکہ زمین مخلوق کے ساتھ ڈھلک نہ جائے۔ اس لئے اگر پہاڑ نہ ہوتے تو زمین اپنے رہنے والوں کے ساتھ ایک طرف جھک جاتی، کیونکہ زمین پانی کی سطح پر تیر رہی ہے جس کو ثبات و استقرار نہیں۔ مضبوطی کے ساتھ جمے ہوئے پہاڑوں کے ذریعے سے اس میں توازن پیدا کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے میخیں بنایا ہے۔ ﴿وَأَنْهَارًا﴾ ”اور دریا“، یعنی زمین کے اندر دریا بنائے جو انسانوں، ان کے مویشیوں اور ان کے کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ پس ان دریاؤں کے ذریعے سے درخت، کھیتیاں اور باغات اگائے اور ان کے ذریعے سے خیر کثیر برآمد کیا۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ”اور ہر پھل کے رکھے اس میں جوڑے دو دو قسم“، یعنی ان میں دو اصناف پیدا کیں جن کے بندے محتاج ہوتے ہیں۔ ﴿يُغْشَى الْبَيْتَ النَّهَارَ﴾ ”ڈھانکتا ہے دن پر رات کو“ وہ دن پر رات کو طاری کر دیتا ہے جس سے تمام آفاق پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور ہر جاندار اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر دن بھر کی مشقت اور تھکن کو دور کرنے کے لئے آرام کرتا ہے۔ جب وہ اپنی نیند پوری کر لیتے ہیں تو دن رات پر چھا جاتا ہے تو لوگ دن کے وقت پھیل کر اپنے مصالح کے حصول اور اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (الفصص: ۷۳/۷۲۸) ”اور یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لئے دن اور رات بنائے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو اور شاید کہ تم شکر گزار بنو“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ﴾ ”اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔“ یعنی اس میں مطالب الہیہ پر دلائل ہیں ﴿لَقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ”غور و فکر کرنے والوں کے لیے۔“ یعنی ان لوگوں کے لئے جو ان آیات و دلائل میں غور و فکر کرتے ہیں، انہیں عبرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اس ہستی کی طرف راہنمائی کرتی ہیں جس نے ان کو تخلیق کیا، ان کی تدبیر کی اور ان میں تصرف کیا۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی اللہ اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ غائب اور موجود ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ وہ مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ اپنے ہر کام میں حکمت رکھتا ہے، اپنے خلق و امر میں قابل تعریف، نہایت بابرکت اور بہت بلند ہستی ہے۔

﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مَّتَجَوِّرَاتٍ وَجَنَّتٌ﴾ ”اور زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں ایک دوسرے سے



ملے ہوئے اور باغات۔“ اس کے کمال قدرت اور انوکھی صنعت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ زمین میں الگ الگ مگر ایک دوسرے سے متصل خطے پائے جاتے ہیں اور اس کے اندر باغات ہیں جن میں انواع و اقسام کے درخت ہیں ﴿مِنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٍ وَنَجِيلٍ﴾ ”انگور کے باغ، کھیتیاں اور کھجور کے باغ ہیں“ اور دیگر پھل اور کھجور کے باغات جن میں سے بعض ﴿صِنَوَانٍ﴾ ”ایک کی جڑ دوسری سے ملی ہوئی“ یعنی متعدد درخت ایک ہی جڑ سے پھوٹے ہیں ﴿وَغَيْرُ صِنَوَانٍ يُسْقَى بِسَاءٍ وَاحِدٍ﴾ ”اور بعض بن ملی“ ان کو پانی بھی ایک ہی دیا جاتا ہے، یعنی تمام درخت ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ایک ہی زمین میں اگے ہوئے ہیں۔ ﴿وَنُفْضِلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ﴾ ”اور فضیلت دی ہم نے بعض کو بعض پر میووں میں“ یعنی رنگ، ذائقہ، فوائد اور لذت میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

پس یہ اچھی اور زرخیز زمین ہے جس میں بکثرت سرسبز گھاس، نیل بوٹے، درخت اور کھیتیاں اگتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ملی ہوئی زمین کی ایک قسم وہ ہے جس میں گھاس اگتی ہے نہ وہ پانی کو روک کر اس کا ذخیرہ کر سکتی ہے۔ زمین کی ایک قسم وہ ہے جو پانی کو روک کر ذخیرہ کرتی ہے مگر اس میں ہریالی نہیں اگتی، ایک زمین وہ ہے جس میں درخت اور کھیتیاں اگتی ہیں مگر گھاس نہیں ہوتی۔ کوئی پھل شیریں ہے، کوئی تلخ اور کسی کا ذائقہ ان کے بین بین ہے۔ کیا یہ تنوع ان کا ذاتی اور طبعی ہے یا غالب اور رحم کرنے والی ہستی کی مقرر کردہ تقدیر ہے؟

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”بے شک اس میں سمجھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔“ یعنی اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایسی عقل سے بہرہ ور ہیں جو ان کی ان امور کی طرف راہنمائی کرتی ہے جو ان کے لئے مفید ہیں یہ عقل ان امور کی طرف لے چلتی ہے جن کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے اوامر و نواہی کو سمجھتے ہیں۔

رہے روگرداں اور بلید الذہن لوگ تو وہ اپنے نظریات کے اندھیروں میں حیران و سرگرداں اور اپنی گمراہی میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اپنے رب کی طرف انہیں کوئی راہ بھائی دیتی ہے نہ اس کی بات کو یاد رکھتے ہیں۔

وَأِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَإِنَّا كَفِیْ خَلْقٍ جَدِیدٍ ؕ  
اور اگر تعجب کریں آپ تو عجیب ہے بات ان کی کہ کیا جب ہو جائیں گے ہم مٹی تو کیا ہم البتہ نئی پیدائش میں ہوں گے؟  
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلُلُ ۖ فِیْ أَعْنَاقِهِمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ  
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا ساتھ اپنے رب کے، اور یہی لوگ ہیں کہ طوق ہوں گے ان کی گردنوں میں اور یہی لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵﴾

دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَإِنْ تَعَجَّبْ﴾ ”اور اگر آپ تعجب کریں“ میں احتمال ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کے دلائل کی کثرت پر تعجب ہو۔ اس لئے کہ اس کے باوجود جھٹلانے والوں کا انکار اور ان کا روز قیامت کی تکذیب کرنا عجیب بات ہے، ان کا یہ کہنا: ﴿إِذَا كُنَّا تُرَابًا إِنْ كُنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ ”کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے، کیا نئے سرے سے بنائے جائیں گے؟“ یعنی ان کے زعم باطل کے مطابق، یہ بہت بعید اور ممتنع ہے کہ جب وہ مٹی میں رمل جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ انہوں نے بنائے جہالت خالق کی قدرت کو مخلوق کی قدرت پر قیاس کر لیا ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ مخلوق کی قدرت سے باہر ہے تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ خالق کے لئے بھی ممتنع ہے۔ حالانکہ وہ فراموش کر بیٹھے کہ ان کو پہلی بار اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھے۔

آیت کریمہ میں اس معنی کا احتمال بھی ہے اگر آپ ان کی بات اور ان کی ان کے مرنے کے بعد اٹھائے جانے کی تکذیب پر تعجب کرتے ہیں تو واقعی ان کی یہ بات عجائبات میں شمار ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ شخص جس کے سامنے آیات الہی بیان کی جائیں جو زندگی بعد موت پر ایسے قطعی دلائل دیکھتا ہو جن میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں اور اس کے بعد وہ انکار کر دے تو یہ عجیب بات ہے۔ مگر ان کی یہ بات کوئی انوکھی چیز نہیں ہے ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ﴾ ”یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا“ اور اس کی وحدانیت کو جھٹلایا حالانکہ توحید سب سے زیادہ واضح اور سب سے زیادہ روشن چیز ہے۔

﴿وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلُلُ﴾ ”اور وہی لوگ طوق ہیں“ جو ان کو راہ ہدایت سے روکتے ہیں ﴿فِي أَعْنَاقِهِمْ﴾ ”ان کی گردنوں میں“ کیونکہ انہیں ایمان کی طرف بلایا گیا مگر وہ ایمان نہ لائے، ان کے سامنے ہدایت پیش کی گئی مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا، لہذا سزا کے طور پر ان کے دل پلٹ دیئے گئے کیونکہ یہ لوگ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے۔ ﴿وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”یہی لوگ دوزخی ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے“ یعنی وہ جہنم سے کبھی نہیں نکلیں گے۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُطُ  
اور وہ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے برائی (عذاب) پہلے بھلائی (رحمت) سے، اور تحقیق گزر چکی ہیں پہلے ان سے مثالیں (عذاب کی)۔

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ

اور بلاشبہ آپ کا رب البتہ مغفرت والا ہے واسطے لوگوں کے باوجود ان کے ظلم کے،

وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ①

اور بے شک آپ کا رب البتہ سخت سزا والا ہے ○



اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو جھٹلانے والے مشرکین کی جہالت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے۔ جن کو نصیحت کی گئی مگر انہوں نے نصیحت حاصل نہ کی۔ ان پر دلائل قائم کئے گئے مگر انہوں نے ان دلائل کو نہ مانا۔ بلکہ اس کے برعکس انہوں نے کھلم کھلا انکار کیا انہوں نے اللہ واحد و تبارک کے علم اور ان کے گناہوں پر فوری طور پر گرفت نہ ہونے کی وجہ سے استدلال کیا کہ وہ حق پر ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہنا شروع کر دیا کہ وہ جلدی سے عذاب لے آئیں اور ان میں سے بعض تو یہاں تک کہہ دیتے: ﴿اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوْ افْتِنَا بَعْدَ إِبِ الْيَمِّ﴾ (الانفال: ۳۲/۸) ”اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لے آ۔“

﴿وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ﴾ ”اور گزر چکی ہیں ان سے پہلے مثالیں“ اور حال یہ ہے کہ جھٹلانے والی قوموں پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کے نازل ہونے کے واقعات گزر چکے ہیں کیا وہ اپنے حال پر غور و فکر کر کے اپنی جہالت کو چھوڑ نہیں سکتے؟ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ﴾ ”اور آپ کا رب لوگوں کو ان کے ظلم کے باوجود معاف کرنے والا ہے“، یعنی اللہ تعالیٰ کی بھلائی اس کا احسان اس کا کرم اور اس کا عفو و درگزر اس کے بندوں پر ہمیشہ نازل ہوتا رہتا ہے اور بندوں کی طرف سے ان کا شرک و عصیان اس کی طرف بلند ہوتا ہے اس کے بندے اس کی نافرمانی کرتے ہیں وہ ان کو اپنے دروازے کی طرف بلاتا ہے وہ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں مگر وہ انہیں اپنے فضل و احسان سے محروم نہیں کرتا۔ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو وہ ان کا دوست ہے کیونکہ وہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں سے بہت محبت کرتا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو وہ ان کا طیب ہے وہ ان کو مصائب میں مبتلا کرتا ہے تاکہ وہ ان کو گناہوں سے پاک کر دے۔ وہ کہتا ہے: ﴿قُلْ لِيُعَادِيَ الَّذِينَ أَنْسَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (الزمر: ۵۳/۳۹) ”کہہ دیجئے! اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا بے شک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ وہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”بے شک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا ہے۔“ ان لوگوں کو جو اپنے گناہوں پر مصر رہتے ہیں جو اللہ غالب اور بخشنے والے کے پاس توبہ استغفار اور التجا کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ پس بندوں کو اللہ تعالیٰ کی ان سزاؤں سے ڈرنا چاہیے جو وہ اہل جرائم کو دیتا ہے اس کی پکڑ نہایت سخت اور دردناک ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ

اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کیوں نہیں نازل کی گئی اوپر اس (رسول) کے کوئی نشانی (معجزہ) اسکے رب کی طرف سے؟

إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

(اے پیغمبر!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور واسطے ہر قوم کے ایک راہ دکھانے والا ہوتا ہے ○

یعنی کفار آپ ﷺ سے بغیر سوچے سمجھے اور اپنی خواہشات کے مطابق معین آیات و معجزات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿لَوْلَا اَنْزِلَ عَلَيْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَبِّهِ﴾ ”کیوں نہیں اتاری گئی آپ پر کوئی نشانی“ آپ کے رب کی طرف سے“ معجزات کے مطالبے کا جواب نہ ملنے پر رسول اللہ ﷺ کے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے یہ بات کہتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ تو محض ڈرانے والے ہیں آپ کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آیات و معجزات نازل فرماتا ہے۔ اس نے ایسے واضح دلائل کے ساتھ رسول کی تائید فرمائی جو عقل مندوں پر مخفی نہیں ہیں اور طالب حق ان دلائل کے ذریعے سے راہ راست پاسکتا ہے۔ رہا منکر حق جو اپنے ظلم و جہالت کی وجہ سے بغیر سوچے سمجھے آیات و معجزات کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ مطالبہ باطل جھوٹ اور بہتان طرازی ہے کیونکہ اس کے پاس جو بھی معجزہ اور نشانی آئے گی وہ اس پر ایمان لائے گا نہ اس کی اطاعت کرے گا کیونکہ اس کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کی صحت پر دلائل نہیں بلکہ اس کے ایمان نہ لانے کی وجہ صرف خواہشات نفس اور شہوات کی پیروی ہے۔ ﴿وَلٰكِنْ قَوْمٌ مُّٰدٍ﴾ ”اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہوا کرتا ہے۔“ یعنی ہر قوم کے پاس انبیاء و مرسلین اور ان کے متبعین میں سے ایک داعی آتا ہے جو انہیں ہدایت کی طرف بلاتا ہے۔ ان کے پاس دلائل و براہین ہوتے ہیں جو اس ہدایت کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْصِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَاَمَّا شَيْءٌ  
 اللہ جانتا ہے جو کچھ اٹھتی ہے (پیٹ میں) ہر ایک مادہ، اور جو کچھ کم کرتے ہیں رحم اور جو کچھ زیادہ کرتے ہیں، اور ہر ایک چیز  
 عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝ عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاءٌ مِّنْكُمْ  
 اسکے ہاں ساتھ ایک اندازے کے ہے ۝ وہ جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کا، بہت بڑا نہایت بلند ۝ برابر ہے (اللہ کے علم میں) تم میں سے  
 مِّنْ اَسْرَارِ الْقَوْلِ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝  
 جو کوئی آہستہ کہے بات کو یا بلند آواز سے کہے، اور جو شخص کہہ دھچکنے والا ہے رات (کے اندھیرے) میں اور جو چلنے والا ہے دن (کی روشنی) میں ۝  
 لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَہٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ  
 واسطے اس (انسان) کے باری باری آنے والے فرشتے ہیں اسکے آگے سے اور اسکے پیچھے سے، وہ حفاظت کرتے ہیں اس کی اللہ کے حکم سے،  
 اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ  
 بیشک اللہ نہیں بدلتا اس قوم کو جو کسی قوم کے پاس ہے یہاں تک کہ وہ (خود) بدل لیں اپنی اس کیفیت کو جو ان کے دلوں میں ہے اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ  
 بِقَوْمٍ سُوْءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ ۚ وَمَا لَہُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّٰلٍ ۝  
 ساتھ کسی قوم کے برائی (عذاب) کا تو نہیں کوئی پھیرنے والا اس کو اور نہیں واسطے ان (لوگوں) کے سوائے اللہ کے کوئی کارساز ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس کا علم سب کو شامل اس کی اطلاع بہت وسیع اور اس نے ہر چیز کا احاطہ کر



رکھا ہے چنانچہ فرماتا ہے: ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ﴾ ”اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ“ یعنی انسان اور جانوروں میں سے ﴿وَمَا تَغْضُضُ الْأَرْحَامُ﴾ ”اور جو کم کرتے ہیں پیٹ“ یعنی رحم میں موجود حمل میں جو کمی ہوتی ہے یا وہ ہلاک ہو جاتے ہیں یا وہ سکڑ کر مضحمل ہو جاتے ہیں ﴿وَمَا تَزْدَادُ﴾ ”اور جو وہ زیادہ کرتے ہیں“ اور ان میں موجود بچے بڑے ہو جاتے ہیں۔ ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ﴾ ”اور ہر چیز کا اس کے ہاں اندازہ ہے“ کوئی چیز اس مقدار سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ اس مقدار سے زیادہ ہو سکتی نہ کم، مگر جس کا تقاضا اس کی حکمت اور علم کرے۔ ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ﴾ ”وہ نہاں اور آشکار کا جاننے والا اور بڑا ہے“ یعنی وہ عالم غیب اور عالم ظاہر کا علم رکھتا ہے وہ اپنی ذات اور اپنے اسماء و صفات میں بڑا ہے۔ ﴿الْمُتَعَالَى﴾ ”عالیٰ مرتبہ ہے۔“ یعنی وہ اپنی ذات قدرت اور غلبہ کے اعتبار سے تمام مخلوق پر بلند ہے۔

﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ﴾ ”برابر ہے تم میں سے“ یعنی اس کے علم اور سمع و بصر میں ﴿مَنْ أَسْرَأَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِأَنْبِيلٍ﴾ ”جو آہستہ بات کہے اور جو پکار کر کہے اور جو چھپنے والا ہے رات میں“ یعنی رات کے وقت کسی خفیہ مقام پر ٹھہرا ہوا ہے ﴿وَسَارِبًا بِالنَّهَارِ﴾ ”اور جو دن میں چلنے والا ہے“ یعنی دن کے وقت اپنی پناہ گاہ کے اندر ہے۔ اور (السَّرَب) اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان چھپتا ہے، خواہ یہ جگہ گھر کے اندر ہو، کوئی غار ہو یا کوئی کھوہ وغیرہ ہو۔ ﴿لَهُ﴾ ”اس کے لیے“ یعنی انسان کے لئے ﴿مُعَقَّبَاتٍ﴾ ”پہرے دار ہیں“ یعنی فرشتے جو شب و روز ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں ﴿مَنْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾ ”بندے کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں“ یعنی یہ فرشتے اس کے جسم و روح کی ہر اس چیز سے حفاظت کرتے ہیں جو اس کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے، وہ اس کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ پس جیسے اللہ تعالیٰ کے علم نے انسان کا احاطہ کر رکھا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے یہ فرشتے بھیج رکھے ہیں جب کہ انسان کے اعمال اور احوال اللہ تعالیٰ سے اوجھل ہیں نہ وہ ان میں سے کچھ بھولتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ﴾ ”بے شک اللہ وہ نہیں بدلتا جو لوگوں کو حاصل ہے“ یعنی نعمت، احسان اور اسباب زیست کی فراوانی، ﴿حَتَّىٰ يَغْيِرُوا مَا بَأَنْفُسِهِمْ﴾ ”جب تک وہ خود اس چیز کو نہ بدل دیں“ یعنی جب تک کہ وہ ایمان سے کفر، اطاعت سے نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر سے ناشکری کی طرف منتقل نہیں ہوتے، تب اس صورت میں اللہ تعالیٰ ان سے اپنی نعمتیں سلب کر لیتا ہے اور اسی طرح جب بندے اپنی حالت کو بدل لیتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو چھوڑ کر اطاعت کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو پھر ان کی بدبختی کی حالت کو بھلائی، مسرت، خوشی اور رحمت کی حالت میں بدل دیتا ہے۔ ﴿وَلَا آدَاءَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا﴾ ”اور جب اللہ کسی قوم

کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کے لئے کسی عذاب سخت یا کسی ایسے امر کا ارادہ کرتا ہے جسے وہ ناپسند کرتے ہیں تو اس کا ارادہ ان پر ضرور نافذ ہوتا ہے۔ ﴿فَلَا مَرَدَ لَهُ﴾ ”اے کوئی رد نہیں کر سکتا“، یعنی اس سے انہیں کوئی بچا نہیں سکتا۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِّنْ وَّالٍ﴾ ”اور اس کے سوا ان کا کوئی حمایتی نہیں ہے۔“ یعنی جو ان کے معاملات کی سرپرستی کر کے ان کے لئے ان کی محبوب و مرغوب اشیاء مہیا کرے اور ناپسندیدہ چیزوں کو ان سے دور کرے۔ پس لوگ ان امور پر قائم رہنے سے بچیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں مبادا کہ ان پر وہ عذاب نازل ہو جائے جو مجرموں پر سے ہٹایا نہیں جاتا۔

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيَسْجِ  
وہی ہے (اللہ) جو دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید دلانے کے لئے، اور وہی پیدا کرتا ہے بادل بھاری ۝ اور تسبیح بیان کرتی ہے

الرَّعْدَ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا  
گرج ساتھ اس کی حمد کے، اور فرشتے بھی اس کے خوف سے، اور وہ بھیجتا ہے کڑکتی بجلیاں، پھر پہنچاتا (گراتا) ہے وہ بجلیاں  
مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحٰلِ ۝ ط

جس پر چاہتا ہے، اور وہ (کافر) جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی بابت، اور وہ شدید قوت والا ہے ۝

﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ ”وہی ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈرانے کے لئے اور امید دلانے کے لئے، یعنی اس بجلی (کے گرنے) کی وجہ سے کڑک اور عمارتوں کے منہدم ہونے کا نیز باغات اور کھیتوں کے پھلوں پر مختلف اقسام کے ضرر رساں اثرات کا خدشہ ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس میں بھلائی اور فائدے کی امید بھی ہوتی ہے۔ ﴿وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ﴾ ”اور وہ بارش سے لدے ہوئے بھاری بھاری بادل اٹھاتا ہے۔“ یہ بارش بندوں کو اور زمین کو فائدہ دیتی ہے ﴿وَيَسْجِ الرَّعْدَ بِحَمْدِهِ﴾ ”اور تسبیح بیان کرتا ہے گرجنے والا اس کی خوبیوں کی“ (الرَّعْد) سے مراد بجلی کی کڑک کی آواز ہے جو بادلوں سے سنائی دیتی ہے اور بندوں کو ڈرا دیتی ہے۔ یہ کڑک اپنے رب کے سامنے جھکی ہوئی، اس کی تسبیح کے ساتھ اس کی حمد کرتی ہے۔ ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾ ”اور سب فرشتے اس کے ڈر سے“ یعنی اپنے رب کے سامنے فروتنی کے ساتھ اور اس کی سطوت سے ڈرتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ﴾ ”اور بھیجتا ہے وہ کڑکتی بجلیاں“ اس سے مراد وہ آگ ہے جو بادلوں سے نکلتی ہے ﴿فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ﴾ ”پھر ڈالتا ہے ان کو جس پر چاہے“ وہ یہ کڑکتی ہوئی بجلیاں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اور جتنی چاہتا ہے اور جب ارادہ کرتا ہے گرا دیتا ہے ﴿وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْحٰلِ﴾ ”اور وہ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی گرفت سخت ہے“ وہ بہت زیادہ قوت و اختیار کا مالک ہے وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے کوئی اس کے سامنے دم مار



سکتا ہے نہ بھاگ کر بچ سکتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اکیلا ہی بندوں کے لئے بادل اور بارش لاتا ہے جس کے اندر ان کے رزق کا مادہ ہے وہی ہے جو تمام امور کی تدبیر کرتا ہے بڑی سے بڑی مخلوق اس کے خوف سے نہایت عاجزی کے ساتھ اس کے سامنے سرافگندہ ہے بندے اس کے خوف سے لرزاں ہیں اور وہ بہت بڑی قوت کا مالک ہے..... تب وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ ۚ  
اسی کے لیے ہے پکارنا سچا اور جنہیں وہ (مشرک) لوگ پکارتے ہیں سوائے اللہ کے نہیں جواب دیتے وہ ان کو کچھ بھی

إِلَّا كَبَاسِطٌ كَفَيْنَهُ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ

مگر مانند (اس شخص کے جو) پھیلانے والا ہے دونوں ہتھیلیاں اپنی، پانی کی طرف، تاکہ پہنچے وہ (پانی) اس شخص کے منہ میں حالانکہ نہیں ہے وہ

بِأَلْغِهِ ۖ وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝۱۴

پہنچنے والا اس (کے منہ) تک اور نہیں ہے پکارنا کافروں کا مگر گمراہی میں ○

﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ ”سو دمند پکارنا تو اسی کا ہے۔“ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے دعوت حق ہے۔

دعوت حق سے مراد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ کو صرف اسی کے لئے خالص کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو پکارا جائے اس سے ڈرا جائے اس پر امیدیں باندھی جائیں اس سے محبت کی جائے اس کی طرف رغبت رکھی جائے اس سے خوف کھایا جائے اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے کیونکہ اسی کی الوہیت حق ہے اور غیر اللہ کی الوہیت باطل ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ﴾ ”اور جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں“ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے سوا

بتوں اور خود ساختہ معبودوں کو جن کو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، پکارتے ہیں ﴿لَا

يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ”وہ ان کی پکار کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے۔“ یعنی یہ خود ساختہ معبودان کو تھوڑا یا بہت

کوئی جواب نہیں دے سکتے جو ان کو پکارتے اور عبادت کرتے ہیں خواہ اس پکار کا تعلق امور دنیا سے ہو یا آخرت

سے ﴿إِلَّا كَبَاسِطٌ كَفَيْنَهُ إِلَى الْمَاءِ﴾ ”مگر جیسے کسی نے پھیلانے دونوں ہاتھ پانی کی طرف“ یعنی وہ شخص جس

کے ہاتھ دور ہونے کی بنا پر پانی تک پہنچ نہیں سکتے ﴿لِيَبْلُغَ﴾ ”کہ آ پہنچے وہ پانی“ یعنی اپنے ہاتھوں کو پانی کی

طرف پھیلانے کی وجہ سے ﴿فَاهُ﴾ ”اس کے منہ تک“ کیونکہ وہ پیاسا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے اپنا ہاتھ

پانی کی طرف بڑھاتا ہے مگر وہ پانی اس تک پہنچ نہیں پاتا۔ اسی طرح کفار جو اللہ کے ساتھ خود ساختہ معبودوں کو

پکارتے ہیں یہ معبودان کو کوئی جواب دے سکتے ہیں نہ ان کی حاجت کے شدید ترین اوقات میں ان کو کچھ فائدہ پہنچا

سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ خود اسی طرح محتاج ہیں جس طرح ان کو پکارنے والے محتاج ہیں۔ وہ زمین و آسمان میں ذرہ بھر کسی چیز کے مالک نہیں، نہ وہ ان میں شریک ہیں اور نہ ان میں کوئی اللہ کا مددگار ہے۔ ﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ اور کافروں کی ساری پکار گمراہی میں ہے، کیونکہ جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، باطل ہیں۔ پس ان کی عبادت کرنا اور ان کو پکارنا سب باطل ٹھہرا، مقاصد کے بطلان کے ساتھ وسائل بھی باطل ہو جاتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ ہی واضح حقیقی بادشاہ ہے، اس لئے اس کی عبادت حق ہے اور عبادت گزار کو دنیا و آخرت میں نفع پہنچاتی ہے۔

غیر اللہ کو پکارنے والے کفار کی پکار کو اس شخص سے تشبیہ دینا جو پانی کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے..... ایک بہترین تشبیہ ہے، کیونکہ یہ ایک امر محال سے تشبیہ ہے جس طرح یہ امر محال ہے اسی طرح مشبہ بہ بھی محال ہے۔ کسی چیز کی نفی کے لئے اس کو امر محال پر معلق ٹھہرانا، نفی کا بلیغ ترین پیرایہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (الاعراف: ۴۰، ۴۱) ”بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تکبر سے پیش آئے ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔ ان کا جنت میں داخل ہونا اتنا ہی محال ہوگا جتنا اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنے۔“

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلْمُهُمُ

اور واسطے اللہ ہی کے سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے اور ناخوشی سے اور ان کے سائے بھی

بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝۱۵

صبح اور شام کے وقت ○

یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اپنے رب کی مطیع اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہے ﴿طَوْعًا وَكَرْهًا﴾ ”خوشی سے اور ناخوشی سے“ (طَوْعًا) اس شخص کے لئے جو اختیاری طور پر اللہ کے سامنے جھکتا اور اسے سجدہ کرتا ہے جیسے اہل ایمان اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتے ہیں (كَرْهًا) اس شخص کے لئے استعمال ہوا ہے جو تکبر کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا مگر خود اس کی فطرت اور اس کا حال اس کی تکذیب کرتے ہیں ﴿وَالظُّلُمُ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ ”اور ان کی پرچھائیاں صبح اور شام“، یعنی تمام مخلوقات کے سائے، صبح و شام اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور ہر چیز کا سجدہ اس کے حسب حال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْتَخِجُ بَحْثَهُ وَلَكِنْ لَا تَقْفَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴، ۴۵) ”اس جہان ہست و بود میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان نہ کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے



نہیں۔“ جب صورت حال یہ ہے کہ تمام کائنات طوعاً و کرہاً اپنے رب کے سامنے سرائگندہ ہے تو معلوم ہوا کہ وہی الہ حقیقی اور وہی معبود حقیقی ہے اور غیر اللہ کی الوہیت باطل ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی الوہیت کے بطلان کا ذکر کرتے ہوئے دلیل دی ہے۔

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ  
کہہ دیجئے (پوچھیے) کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا؟ کہہ دیجئے، اللہ! کیسے، کیا پس پکڑے ہیں تم نے سوائے اسکے ایسے حمایت  
لَا يَمْلِكُونَ لِنَفْسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ  
کہہ نہیں اختیار رکھتے وہ واسطے اپنے نفسوں کے (بھی) نفع کا اور نہ نقصان کا، کہہ دیجئے، کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ یا  
هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ  
کیا برابر ہوتے ہیں اندھیرے اور روشنی؟ کیا نائے ہیں انہوں نے واسطے اللہ کے ایسے شریک کہ پیدا کیا انہوں نے مانند پیدا کرنے اللہ کے  
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

پس مشتبہ ہو گئی پیدائش ان پر؟ کہہ دیجئے، اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا، اور وہ یکتا ہے نہایت غالب ہے ○  
یعنی ان مشرکین سے کہہ دیجئے جو بتوں اور خود ساختہ معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان کے  
ساتھ ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور ان کے تقرب کے لئے مختلف انواع  
کی عبادت ان کو پیش کرتے ہیں۔ کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا سرپرست بنا لیا  
ہے، تم ان کی عبادت کرتے ہو حالانکہ وہ عبادت کے مستحق نہیں ہیں؟ ﴿لَا يَمْلِكُونَ لِنَفْسِهِمْ نَفْعًا وَلَا  
ضَرًّا﴾ ”وہ اپنے نفسوں کے لئے بھی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے“ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم نے اس ہستی کی  
سرپرستی کو چھوڑ دیا جو اسماء و صفات میں کامل، زندوں اور مردوں کی مالک ہے جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کی  
تخلیق و تدبیر اور نفع و نقصان ہے۔ پس اللہ وحدہ کی عبادت اور خود ساختہ شریکوں کی عبادت برابر نہیں ہو سکتی۔ فرمایا:  
﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ﴾ ”کہہ دیجئے! کیا اندھا اور بینا برابر ہو  
سکتا ہے یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟“ اگر انہیں کوئی شک و شبہ ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے  
شریک ٹھہرا دیئے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے معبود بھی پیدا کر سکتے ہیں جیسے اللہ پیدا کرتا ہے ان کے معبود بھی وہ  
کام کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل قائم کر کے ان کا شک و شبہ زائل کر دیجئے۔

پس ان سے کہہ دیجئے ﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے“ پس یہ محال ہے کہ کوئی  
چیز اپنے آپ کو پیدا کر سکتی ہے اور یہ بھی محال ہے کہ کوئی چیز خالق کے بغیر وجود میں آجائے اور تب یہ حقیقت  
متعین ہو گئی کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو کائنات کی خالق اور الہ ہے اس کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک نہیں

کیونکہ وہ واحد و قہار ہے اور وحدانیت اور غلبہ یہ باہم لازم ہیں اور یہ اکیلے اللہ کے لئے متعین ہیں۔ تمام کائنات میں ہر مخلوق کے اوپر ایک اور مخلوق ہے جو اس پر غالب ہے پھر اس غالب مخلوق پر فوقیت رکھنے والی ایک اور مخلوق ہے حتیٰ کہ یہ سلسلہ اس واحد و قہار ہستی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ غلبہ اور توحید لازم و ملزوم اور اللہ واحد کے لئے متحقق اور متعین ہیں..... تب ناقابل تردید عقلی دلیل کے ذریعے سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو پکارا جاتا ہے انہوں نے ان مخلوقات میں سے کسی چیز کو بھی تخلیق نہیں کیا اور اس طرح یہ بات متحقق ہوگئی کہ ان ہستیوں کی عبادت باطل ہے۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ط  
اللہ نے نازل کیا آسمان سے پانی، پس بہہ بڑیں (اس سے) وادیاں ساتھ اپنے اندازے کے، پھر اٹھا لیا سیلاب نے جھاگ ابھر اہوا،  
وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلَهُ ط  
اور ان چیزوں میں بھی کہ تپاتے ہیں انہیں وہ آگ میں، واسطے تلاش کرنے زیور یا سلمان کے جھاگ ہے مانند اس (آب رواں کے) جھاگ کے،  
كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ط فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا  
اسی طرح مثال بیان کرتا ہے اللہ حق اور باطل کی، پس لیکن جو جھاگ ہے تو وہ چلا جاتا ہے خشک ہو کر، اور لیکن  
مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ط كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ط  
جو چیز نفع دیتی ہے لوگوں کو تو وہ ٹھہرتی ہے زمین میں، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہدایت کو جسے قلب و روح کی زندگی کے لئے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا پانی سے تشبیہ دی ہے جسے اس نے بدن کی زندگی کے لئے نازل فرمایا۔ ہدایت الہی میں جو عام اور کثیر نفع ہے اور بندے جس کے محتاج ہیں اس کو بارش میں موجود اس نفع عام سے تشبیہ دی ہے جو بندوں کے لئے بہت ضروری ہے اور ہدایت کے حامل قلوب اور ان کے تفاوت (باہمی فرق) کو ان وادیوں سے تشبیہ دی ہے جن کے اندر سیلاب بہتے ہیں۔ پس بڑی وادی جس میں بہت زیادہ پانی سما جاتا ہے اس بڑے دل کی مانند ہے جو بہت زیادہ علم سے لبریز ہے اور چھوٹی وادی جو تھوڑے سے پانی کی قحطی ہوتی ہے اس چھوٹے دل کی مانند ہوتی ہے جس میں بہت تھوڑا علم سماتا ہے۔ وصول حق کے وقت دلوں کے اندر جو شہوات و شہوات ہوتے ہیں ان کو اس جھاگ سے تشبیہ دی ہے جو سیلاب کے پانی کی سطح پر آ جاتا ہے اور یہ جھاگ اس وقت بھی اوپر آ جاتا ہے جب زیور کو کھوٹ سے خالص کرنے کے لئے آگ میں تپایا جاتا ہے اور جھاگ برابر پانی کے اوپر رہتا ہے اور پانی کو مکدر کرنے والا میل کچیل پانی کی سطح پر تیرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مضطرب ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور صاف پانی اور خالص زیور باقی رہ جاتا ہے جو لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے۔



یہی حال شہوات و شہوات کا ہے قلب ان شہوات و شہوات کو ناپسند کرتا ہے وہ دلائل و براہین اور پختہ ارادے کے ذریعے سے ان کے خلاف جدوجہد کرتا ہے حتیٰ کہ یہ شہوات و شہوات مضحک ہو کر ختم ہو جاتے ہیں اور قلب پاک صاف اور خالص ہو جاتا ہے اور حق کے علم اس کو ترجیح دینے اور اس کی رغبت کے سوا اس میں کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ باطل زائل ہو جاتا ہے اور حق اس کو مٹا دیتا ہے۔ ﴿لَإِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۱/۸۷) ”بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے“ یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ﴾ ”اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں“ تاکہ باطل میں سے حق اور گمراہی میں سے ہدایت واضح ہو جائے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ  
واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے قبول کیا (حکم) اپنے رب کا بھلائی ہے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے نہیں قبول کیا (حکم) اسکا اگر بیشک ہو واسطے ان کے  
مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فُتَدُوا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ  
جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اسکی مثل (اور) اسکے ساتھ تو ضرور بدلے میں دے دیں وہ اسے، یہی لوگ ہیں واسطے انکے سخت  
الْحِسَابِ ۚ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمُ وَيَسَّ الْيَهَادُ ۚ

حساب ہے اور ٹھکانا ان کا جہنم ہے، اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حق کو باطل سے واضح کر دیا، تو اب فرما رہا ہے کہ لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں:

(۱) اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہنے والے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ثواب کا ذکر فرمایا۔

(۲) اپنے رب کی دعوت پر لبیک نہ کہنے والے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عذاب کا ذکر فرمایا۔

﴿لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ﴾ ”ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا“، یعنی جن کے دل علم و ایمان کے سامنے سراقندہ ہیں اور ان کے جوارح امر و نہی پر عمل پیرا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے جو کچھ چاہتا ہے وہ اس کی مراد کی موافقت کرتے ہیں۔ ﴿الْحُسْنَىٰ﴾ ”بھلائی ہے“، یعنی اچھی حالت اور اچھا ثواب ان کی صفات جلیل ترین ان کے مناقب بہترین اور ان کے لئے دنیاوی اور اخروی ثواب ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کا گزر ہوا ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ﴾ ”اور جنہوں نے اس کا حکم نہ مانا“، یعنی ان کے سامنے مثالیں بیان کرنے اور حق واضح کرنے کے بعد بھی انہوں نے اپنے رب کی آواز پر لبیک نہ کہا، ان کی حالت اچھی نہ ہوگی۔ ﴿لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ ”اگر ان کے پاس ہو جو کچھ کہ زمین میں ہے سارا“، یعنی زمین کا تمام سونا چاندی وغیرہ ﴿وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فُتَدُوا بِهِ﴾ ”اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور تو سب دے ڈالیں اپنے بدلے میں“، یعنی قیامت کے روز کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ میں، تو ان سے یہ سب کچھ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور یہ مال انہیں حاصل بھی کہاں سے ہوگا؟

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ﴾ ”ان کے لئے ہے برا حساب“ یعنی یہ حساب ہر اس بد اعمالی کے بارے میں ہوگا جس کا انہوں نے دنیا میں ارتکاب کیا تھا اور بندوں کے جو حقوق ضائع کئے تھے ان کی تمام بد اعمالیاں لکھ کر محفوظ کر لی گئی ہیں۔ وہ پکارا نہیں گئے ﴿يُؤْتِلَنَّا مَا لَ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۴۹/۱۸) ”ہائے ہماری بد بختی! یہ کیسی کتاب ہے جو کسی چھوٹی بات کو لکھنے سے چھوڑتی ہے نہ کسی بڑی بات کو اور وہ اپنے تمام اعمال کو موجود پائیں گے جو انہوں نے سرانجام دیئے ہوں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔“

﴿و﴾ ”اور“ یعنی اس برے حساب کتاب کے بعد ﴿مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ﴾ ”ان کا ٹھکانا جہنم ہے“ جس میں ہر قسم کا عذاب جمع ہے۔ مثلاً شدید بھوک، دردناک پیاس، بھڑکتی ہوئی آگ، کھانے کو تھوہر، ٹھنڈا دینے والی سردی، خاردار جھاڑ اور عذاب کی وہ تمام اقسام جن کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے ﴿وَبَشِّرِ الصَّادِقِينَ﴾ ”اور وہ بری جگہ ہے۔“ یعنی ان کا مسکن اور ٹھکانا بدترین ہوگا۔

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ إِنَّمَا كُنَّا نَكْفُرُ بِهِ جَمَاعًا ۚ كُنَّا تَوَافِكُ بِهِ عَنَّا وَإِنَّ أَكْثَرَتَنَا كَافِرٌ ۙ  
يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ ۚ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُؤْفُونَ بَعْدَ اللَّهِ لَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾  
نصيحت حاصل کرتے ہیں عقل والے ہی وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں عہد اللہ کا اور نہیں توڑتے وہ پختہ عہد کو  
وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ  
اور وہ لوگ جو ملتے ہیں اس چیز کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے انکی بابت کہ ملایا جائے (اسے) اور وہ ڈرتے ہیں اپنے رب سے، اور ڈرتے ہیں وہ سخت  
الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا  
حساب سے اور وہ لوگ کہ جنہوں نے صبر کیا واسطے تلاش کرنے کے رضامندی اپنے رب کی، اور انہوں نے قائم کی نماز اور خرچ کیا اس میں سے جو  
رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَعُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى  
رزق دیا ہم نے انہیں پوشیدہ اور ظاہر اور وہ دور کرتے ہیں ساتھ اچھائی کے برائی کو، یہی لوگ ہیں واسطے انکے (بہتر) انجام ہے  
الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّتٌ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ  
آخرت کا اور باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے، وہ داخل ہونگے انہیں، اور وہ بھی جو نیک ہیں ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں  
وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ  
اور ان کی اولاد میں سے، اور فرشتے داخل ہونگے اوپر ان کے (جنت کے) ہر دروازے سے اور کہیں گے (سلام ہو تم پر  
بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعَمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾  
بوجہ اس کے کہ صبر کیا تم نے سو بہت ہی اچھا انجام ہے آخرت کا

بوجہ اس کے کہ صبر کیا تم نے سو بہت ہی اچھا انجام ہے آخرت کا



اللہ تبارک وتعالیٰ اہل علم و عمل اور غیر اہل علم لوگوں کے درمیان فرق کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اَفَمَنْ يَعْلَمُ اٰمَنًا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ﴾ ”بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اتر آیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے حق ہے“ پس اس حق کو خوب سمجھ لیا اور اس پر عمل پیرا ہوا ﴿كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی﴾ ”برابر ہو سکتا ہے اس کے جو کہ اندھا ہے“ اور وہ حق کا علم رکھتا ہے نہ حق پر عمل کرتا ہے، دونوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ پس بندے پر لازم ہے کہ وہ غور کرے کہ فریقین میں سے کس کا حال اچھا اور کس کا انجام بہتر ہے۔ پھر اسے چاہیے کہ اسی راستے کو ترجیح دے اور اسی گروہ کی پیروی میں رواں دواں رہے۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص غور و فکر نہیں کرتا کہ اس کے لئے کیا چیز فائدہ مند اور کیا چیز نقصان دہ ہے؟ ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ﴾ ”عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں“ یعنی جو پختہ عقل اور کامل رائے رکھتے ہیں یہ لوگ کائنات کا لب لباب اور بنی آدم میں چنے ہوئے لوگ ہیں۔

اگر آپ ان کے اوصاف کے بارے میں سوال کریں تو آپ ان اوصاف سے بڑھ کر کوئی وصف نہیں پائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو موصوف کیا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُؤْفِقُونَ بَعْدَ اللّٰهِ﴾ ”وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں“ وہ ذمہ داری جو اللہ تعالیٰ نے ان پر عائد کی تھی اور وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا یعنی اس کے حقوق کو کامل طور پر قائم کرنا، ان کو پوری طرح ادا کرنا یعنی ان حقوق کی نشوونما اور ان میں خیر خواہی کرنا۔ ﴿و﴾ ”اور“ ان حقوق کی تکمیل یہ ہے کہ وہ ﴿لَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ﴾ ”وہ اقرار کو نہیں توڑتے“، یعنی اس عہد کو نہیں توڑتے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے باندھا ہے۔ اس آیت کریمہ کے حکم میں ہر قسم کا معاہدہ، عہد، قسم اور نذر وغیرہ داخل ہیں جنہیں بندے اپنے آپ پر لازم کرتے ہیں۔ اس عہد اور میثاق کو تمام پورا کئے بغیر بندہ عقل مندوں میں شمار نہیں ہو سکتا جن کے لئے ثواب عظیم ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ اَنْ يُّوْصَلَ﴾ ”اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا“ یہ ان تمام امور کے لئے عام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت، اللہ تعالیٰ وحدہ کی عبادت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لئے سر تسلیم خم کرنا۔ سب اس میں داخل ہے۔ یہ لوگ اپنے ماں باپ کے ساتھ قوی اور فعلی حسن سلوک کے ذریعے سے صلہ رحمی کرتے ہیں اور ان کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اسی طرح اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ اپنے قول و فعل میں حسن سلوک کے ذریعے سے صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اپنی بیویوں، اپنے دوستوں، ساتھیوں اور اپنے غلاموں کے دین اور دنیاوی حقوق کی کامل ادائیگی کے ذریعے سے حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔

اور وہ سب جس کی بنا پر بندہ ان امور کو ملاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ملانے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ اور روز

حساب کا خوف ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ ”اور وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے دن اس کے حضور پیش ہونے کا ڈر انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ارتکاب اور اس کے احکام میں کوتاہی سے بچاتا ہے ان کا یہ رویہ عذاب کے ڈر اور ثواب کی امید کی بنا پر ہے۔

﴿وَالَّذِينَ صَبَرُوا﴾ ”اور جو صبر کرتے ہیں۔“ یعنی وہ لوگ جو مامورات کی تعمیل اور منہیات سے بچنے اور ان سے دور رہنے اور اللہ تعالیٰ کی تکلیف دہ قضا و قدر پر عدم ناراضی کے ساتھ صبر کرتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ صبر صرف ﴿ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ﴾ ”اپنے رب کی رضا کی خاطر ہو“ کسی فاسد اغراض و مقاصد کے لئے نہ ہو۔ یہی وہ صبر ہے جو فائدہ مند ہے جو بندے کو اپنے رب کی رضا کی طلب اور اس کے قرب کی امید کا پابند اور اس کے ثواب سے بہرہ ور کرتا ہے اور یہی وہ صبر ہے جو اہل ایمان کی خصوصیات میں شمار ہوتا ہے۔ وہ صبر جو بہت سے لوگوں میں مشترک ہوتا ہے اس کی غایت و انتہا استقلال اور فخر ہے یہ صبر نیک اور بد مومن اور کافر ہر قسم کے لوگوں سے صادر ہو سکتا ہے، صبر کی یہ قسم درحقیقت مدوح نہیں ہے۔ ﴿وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ ”اور نماز قائم کرتے ہیں۔“ یعنی وہ نماز کو اس کے تمام ارکان، شرائط اور ظاہری و باطنی تکمیل کے ساتھ قائم کرتے ہیں ﴿وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً﴾ ”اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں“ اس میں تمام نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ اور کفارہ اور نفقات مستحبہ داخل ہیں۔ یہ کھلے چھپے ان تمام مقامات پر خرچ کرتے ہیں جہاں ضرورت تقاضا کرتی ہے۔

﴿وَيَذَرُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ﴾ ”اور وہ برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں“ یعنی جو کوئی قول و فعل کے ذریعے سے ان کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے وہ اس کے ساتھ برے طریقے سے پیش نہیں آتے بلکہ اس کے برعکس حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔ پس جو کوئی انہیں محروم کرتا ہے یہ اسے عطا کرتے ہیں جو کوئی ان پر ظلم کرتا ہے یہ اسے معاف کر دیتے ہیں جو کوئی ان سے قطع تعلق کرتا ہے یہ اس سے جڑتے ہیں اور جو کوئی ان سے برا سلوک کرتا ہے یہ اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں..... جب برا سلوک کرنے والوں کے ساتھ ان کے حسن سلوک کی یہ کیفیت ہے تو اس شخص کے ساتھ ان کے حسن سلوک کی کیا کیفیت ہوگی جس نے ان کے ساتھ کبھی برا سلوک نہیں کیا۔ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ ”یہی“ یعنی وہ لوگ جو ان صفات جلیلہ اور مناقب جلیلہ کے حامل ہیں ﴿لَهُمْ عَقَبَى الدَّارِ﴾ ”انہی کے لئے آخرت کا گھر ہے۔“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿جَدَّتْ عَدْنٌ﴾ ”باغ میں ہمیشہ رہنے کے“ یعنی وہ ان جنتوں میں قیام کریں گے وہ کبھی ان سے دور نہ ہوں گے اور نہ وہ ان جنتوں سے منتقل ہونا چاہیں گے وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اوپر کوئی منزل نہیں..... کیونکہ یہ جنتیں ایسی نعمت اور مسرت پر مشتمل ہیں جو مطلوب و مقصود ہے۔



اور ان کے لئے نعمت کی تکمیل اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک یہ ہے کہ ﴿يَدْخُلُونَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ﴾ ”وہ اس (جنت) میں داخل ہوں گے اور جو نیک ہوئے ان کے باپ دادا میں سے (مردوں اور عورتوں میں سے) اور ان کی بیویوں میں سے اور ان کی اولاد میں سے“ اور اسی طرح ان جیسے دیگر لوگ ان کے دوست ہم نشین ان کے ساتھی۔ اس لئے کہ یہ سب ان کی ازواج اور اولاد کی قبیل ہی میں شمار ہوں گے ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ﴾ ”اور فرشتے ان پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے۔“ وہ انہیں سلام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکرام و تکریم کے ذریعے سے ہدیہ تہنیت پیش کریں گے۔ اور کہیں گے ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُمْ﴾ ”تم پر سلامتی ہو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر سلامتی اور سلام کا ہدیہ ہے جو تمہیں پیش کیا گیا ہے اور یہ سلام ہر ناخوشگوار کے زائل ہونے کو متضمن اور ہر محبوب چیز کے حصول کو مستلزم ہے ﴿بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ ”تمہارے صبر کے سبب سے“ یہ صبر ہی ہے جس نے تمہیں ان مقامات بلند اور جنت عالی شان میں پہنچایا ﴿فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ”سو کیا خوب ہے عاقبت کا گھر“ پس جو کوئی اپنے نفس کا خیر خواہ ہے اور اس کے نزدیک اس کی قدر و قیمت ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کے تزکیہ کے لئے پوری جدوجہد کرے شاید وہ عقل مندوں کے اوصاف سے بہرہ ور ہو سکے اور شاید اسے آخرت کے گھر سے کوئی حاصل سکے، جو دلوں کی آرزو اور روح کا سرور ہے، جو ہر قسم کی لذتوں اور فرحتوں کا جامع ہے۔ پس اس قسم کی منزل کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے اور اس قسم کے مقام کے لئے سبقت کرنی چاہیے۔

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ  
اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں عہد اللہ کا بعد پختہ کرنے کے اس کو، اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو کہ حکم دیا اللہ نے اس کی بابت  
أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۝۱۵  
کہ ملایا جائے (اسے) اور وہ فساد کرتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں واسطے انکے لعنت ہے اور واسطے انہی کے بہت برا گھر ہے (آخرت کا) X  
اہل جنت کا حال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کے ایسے احوال بیان فرمائے ہیں جو اہل جنت کے اوصاف کے برعکس ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ﴾ ”وہ لوگ جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کو مضبوط کرنے کے بعد“ یعنی اللہ تعالیٰ کے اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعے سے اس عہد کو موکد اور پکا کرنے کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑا اور اطاعت و تسلیم سے اس عہد کو پورا نہ کیا بلکہ اس سے روگردانی کرتے ہوئے اس کو توڑ دیا۔ ﴿وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ﴾ ”اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا“ پس انہوں نے ایمان و عمل کے ذریعے سے اپنے اور اپنے رب کے مابین تعلق کو قائم کیا نہ انہوں نے صلہ رحمی کی اور نہ انہوں نے حقوق ادا کئے بلکہ اس کے برعکس انہوں نے

کفر و معاصی کا ارتکاب کر کے لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک کر اور اس کے راستے کو ٹیڑھا کرنے کی کوششوں کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلایا۔ ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ ”ایسوں پر لعنت ہے“ یعنی ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور اس کے فرشتوں اور اس کے مومن بندوں کی طرف سے مذمت ہے ﴿وَلَهُمْ سَوْءُ الدَّارِ﴾ ”اور ان کے لیے گھر بھی برا ہے۔“ اس سے مراد جہنم ہے کیونکہ اس میں ان کے لئے المناک عذاب ہوگا۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا ط  
اللہ کشادہ کرتا ہے رزق واسطے جس کے چاہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہے) اور وہ کافرا تراتے ہیں ساتھ زندگی دنیا کے  
وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۝۱۹

اور نہیں ہے زندگی دنیا آخرت (کے مقابلے) میں مگر متاع (حقیر) ○

یعنی وہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے۔ رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے اسے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے نپاٹتا رزق عطا کر کے اس پر رزق کو تنگ کر دیتا ہے ﴿وَفَرِحُوا﴾ ”اور وہ خوش ہیں“ یعنی کفار، ﴿بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”دنیا کی زندگی پر“ انہیں ایسی خوشی ہے جو ان کے لئے دنیا پر اطمینان اور آخرت سے غفلت کی موجب ہے اور یہ ان کی کم عقلی ہے۔ ﴿وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ﴾ ”اور نہیں ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں مگر حقیر سامان“ یعنی دنیا کی زندگی ایک حقیر سی چیز ہے جس سے بہت کم فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور جو فائدہ اٹھانے والے دنیا داروں سے جدا ہو جائے گی اور اپنے پیچھے ایک طویل ہلاکت چھوڑ جائے گی۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ  
اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کیوں نہیں نازل کی گئی آپ پر کوئی (بڑی) نشانی آپ کے رب کی طرف سے؟ کہہ دیجئے، بیشک اللہ گمراہ کرتا ہے  
مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَىٰهِ مَنْ أُنَابَ ۚ ۝۲۰ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ  
جسے چاہے اور وہ ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس شخص کو جو (اکی طرف) رجوع کرے ○ وہ لوگ جو ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں  
قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۙ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝۲۱ الَّذِينَ آمَنُوا  
دل ان کے ساتھ اللہ کے ذکر کے، آگاہ رہو! اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی مطمئن ہوتے ہیں دل ○ وہ لوگ جو ایمان لائے  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسَنُ مَا بُدِئَ ۝۲۲

اور انہوں نے عمل کئے نیک راحت و فرحت ہے ان کے لیے اور اچھا ٹھکانا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اللہ کے رسول سے بطریق تبلیہ بے سوچے سمجھے سوال کرتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ﴾ ”کیوں نہ اتری اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے“ یعنی ان کے زعم کے مطابق اگر ان کے پاس معجزہ آگیا ہوتا تو



وہ ضرور ایمان لے آتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ اللَّهُ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَى إِلَهِهِ مَنْ آتَابَ﴾ ”کہہ دیجئے! اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ دکھلاتا ہے اپنی طرف اس کو جس نے رجوع کیا۔“ یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلب گار ہوا۔ پس ہدایت اور گمراہی ان کے ہاتھ میں نہیں ہے کہ وہ اسے آیات و معجزات پر موقوف قرار دیں، بایں ہمہ وہ سخت جھوٹے ہیں۔ ﴿وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَاهُ إِلَيْهِمُ الْمَلِئِكَةُ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْثُوقِ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيَوْمًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ (الانعام: ۱۱۱/۶) ”اگر ہم ان پر فرشتے نازل کر دیں انکے ساتھ مردے ہم کلام ہوں اور انکے سامنے ہر چیز اکٹھی کر دیں تب بھی یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں“ یہ لازم نہیں کہ رسول ان کے پاس وہی متعین معجزہ لے کر آئے جس کا وہ مطالبہ کرتے ہیں بلکہ وہ جو نشانی لے کر آئے جس سے حق واضح ہو جائے تو کافی ہے اور اس سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور ان کے لئے ان کے متعین معجزات کے طلب کرنے سے زیادہ نفع مند ہے۔ کیونکہ اگر ان کے مطالبے کے مطابق نشانی آجائے اور وہ اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیں تو بہت جلد ان کو اللہ تعالیٰ کا عذاب آ لے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کی علامت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کا قلق اور اضطراب دور ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ فرحت اور لذت آ جاتی ہے فرمایا: ﴿إِلَّا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ ”سنو! اللہ کے ذکر ہی سے دل چین پاتے ہیں“ دلوں کے لائق اور سرسوار بھی یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی چیز سے مطمئن نہ ہوں کیونکہ دلوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے انس اور اس کی معرفت سے بڑھ کر کوئی چیز لذیذ اور شیریں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کی مقدار کے مطابق دل اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس قول کے مطابق یہاں ذکر سے مراد بندے کا اپنے رب کا ذکر کرنا ہے مثلاً تسبیح اور تکبیر و تہلیل وغیرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد کتاب اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی یاد دہانی کے لئے نازل فرمائی ہے۔ تب ذکر الہی کے ذریعے سے اطمینان قلب کے معنی یہ ہوں گے کہ دل جب قرآن کے معانی اور اس کے احکام کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں تو اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قرآن کے معانی حق مبین پر دلالت کرتے ہیں اور دلائل و براہین سے ان کی تائید ہوتی ہے اور اس پر دل مطمئن ہوتے ہیں کیونکہ علم اور یقین کے بغیر دلوں کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا اور کتاب اللہ کامل ترین وجوہ کے ساتھ علم اور یقین کو مضمّن ہے۔ کتاب اللہ کے سوا دیگر کتب علم و یقین کی طرف راجع نہیں ہوتیں، اس لئے دل ان پر مطمئن نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برعکس وہ دلائل کے تعارض اور احکام کے تضاد کی بنا پر ہمیشہ قلق کا شکار رہتے ہیں ﴿وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا

**فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا** (النساء: ۸۲/۴) ”اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔“ اور یہ چیز کتاب اللہ کی دی ہوئی خبر کتاب اللہ میں تدبیر اور دیگر مختلف علوم میں غور و فکر سے واضح ہو جاتی ہے پس (طالب حق) ان کتب علوم اور کتاب اللہ کے درمیان بہت بڑا فرق پائے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔“ یعنی جو اپنے دل سے اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ یعنی اعمال قلوب مثلاً محبت الہی، خشیت الہی اور اللہ تعالیٰ پر امید وغیرہ اور اعمال جوارح مثلاً نماز وغیرہ کے ذریعے سے اس ایمان کی تصدیق کرے۔ ﴿طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسَنَ مَا يَأْتِيهِمْ﴾ ”ان کے لیے خوش حالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔“ یعنی ان کا حال پاک صاف اور ان کا انجام اچھا ہے اور یہ اس بنا پر ہے کہ انہیں دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے اکرام و تکریم حاصل ہے اور انہیں کامل راحت اور پورا اطمینان قلب عطا کیا گیا ہے۔ ان جملہ نعمتوں میں جنت کا ”شجر طوبی“ بھی شامل ہے کہ ایک سوار اس درخت کے سائے میں ایک سو سال تک چتر رہے گا مگر سایہ ختم ہونے کو نہیں آئے گا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔<sup>①</sup>

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنَاكَ فِيْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ لَّا تَتْلُوْا عَلَيْهِمُ الَّذِيْ  
(جیسے پہلے رسول بھیجے تھے اسی طرح بھیجا ہم نے آپ کو ایسی امت میں کہ گزر چکی ہیں پہلے اس سے کئی امتیں تاکہ آپ پر ہیں اوپر ان کے وہ (قرآن)

اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا  
جو وحی کیا ہم نے آپ کی طرف، اور وہ کفر کرتے ہیں ساتھ رحمن کے، کہہ دیجئے وہ میرا رب ہے، نہیں کوئی معبود (برحق)

هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابُ ۝۳۰

مگر وہی اسی پر بھروسہ کیا میں نے اور اسی کی طرف ہے لوٹنا میرا ۝۳۰

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿كَذٰلِكَ اَرْسَلْنَاكَ﴾ ”اسی طرح ہم نے آپ کو بھیجا۔“ یعنی ہم نے آپ ﷺ کو آپ کی قوم کی طرف مبعوث کیا تاکہ آپ ان کو ہدایت کی طرف دعوت دیں ﴿فِيْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ﴾ ”ایک امت میں کہ اس سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں“ جن کے اندر ہم نے اپنے رسول بھیجے لہذا آپ کوئی انوکھے رسول نہیں ہیں کہ وہ آپ کی رسالت کو اوپر سمجھیں اور نہ آپ اپنی طرف سے کوئی بات کرتے ہیں۔ بلکہ آپ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی ہیں جو دلوں کی تطہیر اور نفوس کا تزکیہ کرتی ہیں اور آپ کی قوم کا حال یہ ہے کہ وہ رحمان کا انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت اور احسان سے نوازا اور سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ ہم نے آپ



کوان کی طرف مبعوث فرمایا اور ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی مگر انہوں نے شکرگزاری کے ساتھ اس کو قبول کرنے کی بجائے اس کا انکار کر کے اسے ٹھکرا دیا۔ پس انہوں نے تکذیب کرنے والی ان قوموں سے عبرت حاصل نہ کی جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا۔ ﴿قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”کہہ دیجئے اوہ میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں“ یہ آیت کریمہ دو قسم کی توحید کو متضمن ہے توحید الوہیت اور توحید ربوبیت۔ پس وہ میرا رب ہے اور جب سے وہ مجھے وجود میں لایا ہے اس وقت سے میری پرورش کر رہا ہے اور وہی میرا معبود ہے ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ ”میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں“ یعنی میں اپنے تمام امور میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں ﴿وَالَيْهِ مَتَابُ﴾ ”اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔“ یعنی میں اپنی تمام عبادات اور حاجات میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَ بِهِ الْمَوْتُ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا فَلَمْ يَأْتِ الْكَافِرِينَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَّوِيَشَاءَ اللَّهُ مَرَدًّا تَوَدُّعِي قُرْآنِ هَذَا) بلکہ واسطہ اللہ ہی کے ہے معاملہ (اختیار) سارا، کیا پس (ابھی تک) نہیں جانا ان لوگوں نے جو ایمان لائے کہ اگر چاہتا اللہ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ تَوَابِتْ هِدَايَتِ دِيْنًا لُّوگوں کو سب کو، اور ہمیشہ رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پہنچے گی انہیں بوجہ اس کے جو انہوں نے کیا سخت آفت أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْبِعَادَ ۝۱۶ یا وہ اترے گی قریب ان کے گھروں کے یہاں تک کہ آجائے وعدہ اللہ کا، بے شک اللہ نہیں خلاف کرتا (اپنے) وعدے کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام کتب منزلہ پر قرآن کریم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا﴾ ”اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا“ یعنی کتب الہیہ میں سے کوئی قرآن ایسا ہوتا ﴿سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ﴾ ”کہ اس کے ذریعے سے پہاڑوں کو (اپنی جگہ سے) ہلا دیا جاتا“ ﴿أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ﴾ ”یا ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اس سے زمین“ اور اس کے ذریعے سے زمین پھٹ جاتی اور وہ باغات اور دریاؤں میں تبدیل ہو جاتی ﴿أَوْ كَلِمَ بِهِ الْمَوْتُ﴾ ”اور اس کے ذریعے سے مردے بولنے لگتے“ تو وہ یہی قرآن ہوتا ﴿بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا﴾ ”بلکہ سب کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں“ اس لئے اللہ تعالیٰ صرف وہی معجزے دکھاتا ہے جن کا تقاضا اس کی حکمت کرتی ہے۔ تب ان جھٹلانے والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنی خواہش سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں؟ پس کیا ان کو یا کسی اور کو آیات و معجزات پر کوئی اختیار ہے؟

﴿فَلَمْ يَأْتِ الْكَافِرِينَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَّوِيَشَاءَ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا﴾ ”کیا ایمان والوں کو اس

بات پر اطمینان نہیں کہ اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت سے نواز دے، پس انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو ہدایت دینے پر قادر ہے مگر اللہ تعالیٰ ایسا کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ ﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور کفار اپنے کفر پر جبرے رہیں گے، یعنی وہ عبرت حاصل کریں گے نہ نصیحت حاصل کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے شہروں پر پے در پے ہلاکتیں اور عذاب نازل فرماتا ہے یا ان کے قریب علاقوں پر مصائب نازل ہوتے ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کفر پر مصر ہیں ﴿حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ﴾ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے، یعنی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فوری نزول عذاب کے وعدے کا وقت آجائے جس کو روکنا ممکن نہیں۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نزول عذاب کے بارے میں تہدید و تحویف ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر، عناد اور ظلم کی بنا پر وعدہ کر رکھا ہے۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَامْلَيْتَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

اور البتہ تحقیق استہزاء کیا گیا رسولوں کے آپ سے پہلے تو مہلت دی میں نے واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا،

ثُمَّ اخَذْتَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۷

پھر پکڑا میں نے ان کو، پس کیسا (شدید) تھا عذاب میرا؟ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو ثبات کی تلقین کرتے اور تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور ٹھٹھا کیا گیا آپ سے پہلے کتنے رسولوں کے ساتھ، یعنی آپ پہلے رسول نہیں ہیں جس کی تکذیب کی گئی اور جسے ایذا پہنچائی گئی ہو، ﴿فَامْلَيْتَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پس میں نے کافروں کو ڈھیل دی، یعنی جنہوں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا، میں نے ایک مدت تک ان کو مہلت دی حتیٰ کہ وہ اس گمان باطل میں مبتلا ہو گئے کہ ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا ﴿ثُمَّ اخَذْتَهُمْ﴾ پھر میں نے ان کو (مختلف قسم کے عذاب کے ذریعے سے) پکڑ لیا، ﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ پس کیسا تھا میرا عذاب؟ اللہ تعالیٰ کی سزا بڑی سخت اور اس کا عذاب بڑا دردناک ہے۔ وہ لوگ جو آپ کو جھٹلاتے ہیں اور آپ کا تمسخر اڑاتے ہیں ہماری دی ہوئی مہلت سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں، ان کے سامنے ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں کا نمونہ موجود ہے، لہذا انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان کے ساتھ بھی وہی سلوک نہ کیا جائے جو گزشتہ نافرمان قوموں کے ساتھ کیا گیا۔

أَفَمَن هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلُوبُهُمْ

کیا پس وہ ذات جو نگہبان ہے ہر نفس پر ساتھ اس کے جو اس نے کیا (ماندا سکے ہے جو یہ نہیں؟) اور بنائے انہوں نے اللہ کیلئے شریک، کہہ دیجئے تم نام تو لوگ



أَمْ تَتَّبِعُونَ بَسًا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بَظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زَيْنَ لِلَّذِينَ

بلکہ تم خبر دیتے ہو اللہ کو ان چیزوں کی کہ نہیں جانتا وہ (انہیں) زمین میں؟ بلکہ (تم شریک قرار دیتے ہو انکو) ظنِ باطل سے، بلکہ مزین کر دیا گیا واسطیٰ لوگوں کے

كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَن يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝۳۷

جنہوں نے کفر کیا، مکران کا، اور وہ رو کے گئے راہِ حق سے، اور جسے گمراہ کرے اللہ تو نہیں ہے واسطیٰ اس کے کوئی بھی ہدایت دینے والا

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُمْ

ان کے لیے عذاب ہے زندگی دنیا میں اور البتہ عذابِ آخرت کا سخت ترین ہے اور نہیں ہے واسطیٰ ان کے

مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ۝۳۸

اللہ (کے عذاب) سے (کوئی بھی) بچانے والا

﴿أَمَّنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾ ”تو کیا جو ہر تنفس کے اعمال کا نگران ہے۔“ یعنی کیا

وہ ہستی جو دنیاوی اور اخروی جزا اور عدل و انصاف کے ساتھ ہر تنفس کے عمل کو دیکھ رہی ہے..... اور وہ ہے اللہ

تبارک و تعالیٰ..... اس ہستی کی مانند ہو سکتی ہے جو اس جیسی نہیں ہے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ﴾ ”اور انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا لئے“ حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک ہے وہ کیسا اور

بے نیاز ہے جس کا کوئی شریک ہے نہ ہمسر اور نظیر۔ ﴿قُلْ﴾ اگر وہ سچے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے ﴿سَبِّحُوهُمْ﴾

”ان کے نام لو“ تاکہ ہمیں ان کا حال معلوم ہو ﴿أَمْ تَتَّبِعُونَ بَسًا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ﴾ ”یا تم اللہ کو بتلاتے ہو

جو وہ نہیں جانتا زمین میں“ جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ غائب اور حاضر ہر چیز کو جانتا ہے اور اس کے علم میں کوئی ایسی ہستی

نہیں جو اس کی شریک ہو تو ان کے اس دعویٰ کا بطلان واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے اور تم اس شخص کی

مانند ہو جو اللہ تعالیٰ کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس کا کوئی شریک ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہیں ہے اور یہ باطل ترین

قول ہے اس لئے فرمایا: ﴿أَمْ بَظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ﴾ ”یا کرتے ہو اوپر ہی اوپر باتیں“ تمہارے دعویٰ کہ اللہ

تعالیٰ کا شریک ہے، کی انتہا یہ ہے کہ یہ تمہاری خالی خولی باتیں ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

معبود نہیں اور تمام کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں جو کچھ بھی عبادت کی مستحق ہو۔

﴿بَلْ زَيْنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ﴾ ”بلکہ خوب صورت کر دیئے گئے ہیں کافروں کے لیے ان کے فریب“

وہ چال جو انہوں نے چلی یعنی ان کا کفر، شرک اور آیات الہی کو جھٹلانا ﴿وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ﴾ ”اور وہ (ہدایت

کے) راستے سے روک لیے گئے ہیں۔“ یعنی انہیں صراطِ مستقیم سے روک دیا گیا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے کرامت

کے گھر تک پہنچاتا ہے ﴿وَمَن يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ ”اور جس کو گمراہ کر دے اللہ اس کو کوئی ہدایت دینے

والا نہیں۔“ کیونکہ کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ﴾

”ان کے لئے عذاب ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے“ یعنی آخرت کا عذاب اپنی شدت اور دوام کی بنا پر دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاَقٍ﴾ اور ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں، جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے، جب اس کے عذاب کا رخ ان کی طرف پھیر دیا جائے گا تو اسے کوئی نہیں روک سکے گا۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أَكْلُهَا دَائِمٌ  
صفت اس جنت کی جس کا وعدہ دیئے گئے ہیں متقی لوگ (یہ ہے کہ) بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں اس کے پھل دائمی ہیں  
وَزَلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿۳۵﴾  
اور اس کا سایہ بھی، یہ انجام ہے ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور انجام کافروں کا آگ ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ﴾ جنت کا حال جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے ہے، یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے نواہی کو ترک کر دیا اور اس کے اوامر کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی، ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ اس جنت کا وصف اور اس کی حقیقت یہ ہے ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں، یعنی شہد شراب، دودھ اور پانی کی نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں گڑھ نہ ہوں گے۔ یہ نہریں جنت کے باغات اور درختوں کو سیراب کریں گی یہ باغات اور درخت ہر قسم کے پھل اٹھائیں گے۔ ﴿أَكْلُهَا دَائِمٌ وَزَلُّهَا﴾ ان کے پھل ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ان کا سایہ بھی لازوال ہے، ﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا﴾ یہ انجام ہے ان لوگوں کا جو ڈرتے رہے، یعنی ان کا انجام اور ان کی عاقبت جس کی طرف یہ رواں دواں میں ﴿وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ﴾ اور کافروں کا انجام جہنم ہے۔ پس دیکھ لو! دونوں فریقوں کے درمیان کتنا واضح فرق ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ  
اور وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب، وہ خوش ہوتے ہیں ساتھ اس (قرآن) کے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف، اور کچھ گروہ وہ ہیں جو انکار کرتے ہیں  
بَعْضُهُمْ قُلُوبُهُمْ أَمْرُتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ  
اسکے بعض (احکام) کا کہہ دیجئے مجھے تو حکم دیا گیا ہے اس کا کہ میں عبادت کروں صرف اللہ ہی کی، اور نہ شریک ٹھہراؤں ساتھ اسکے (کسی کو بھی)  
إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَآبُ ﴿۳۶﴾

اسی کی طرف بلاتا ہوں میں اور اسی کی طرف واپسی ہے میری ○

﴿وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ﴾ اور وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب، یعنی ہم نے ان کو کتاب اللہ اور اس کی معرفت سے نوازا ﴿يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ وہ خوش ہوتے ہیں اس پر جو نازل ہوا آپ پر، پس



وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی تصدیق کرتے ہیں اور کتب الہیہ کی ایک دوسری کے ساتھ موافقت اور ایک دوسری کی تصدیق کرنے کی بنا پر خوش ہوتے ہیں یہ ان لوگوں کا حال ہے جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے۔ ﴿وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ﴾ ”اور بعض گروہ وہ ہیں جو اس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں“ یعنی کفار کے حق سے مخرف، گروہ اس قرآن کے کچھ حصے کا انکار کرتے ہیں اور اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ ﴿فَبَيْنَ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلٰیهَا﴾ (الزمر ۱۳۹) ”تو جو کوئی راہ راست پر چلتا ہے (تو اس کی راست روی) اس کے اپنے لئے فائدہ مند ہے۔ اور جو کوئی گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہے۔“ اے محمد! (ﷺ) آپ تو صرف ڈرانے والے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے ہیں۔

﴿قُلْ اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا اُشْرِكَ بِهِ﴾ ”کہہ دیجئے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤں“ یعنی مجھے صرف اللہ وحدہ کے لئے دین کو خالص کرنے کا حکم دیا گیا ہے ﴿اِنَّهٗ اَدْعَاوًا اِلَيْهِ مَآبٍ﴾ ”اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے“ یعنی وہی میرا مرجع ہے جس کی طرف میں لوٹوں گا وہ مجھے اس بات کی جزا دے گا کہ میں نے اس کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور مجھے جو حکم دیا گیا میں نے اس کی تعمیل کی۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا

اور اسی طرح نازل کیا ہم نے اس (قرآن) کو حکم عربی زبان میں، اور البتہ اگر پیروی کی آپ نے انکی خواہشوں کی بعد اسکے کہ

جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ﴿۱۶﴾

آیا آپ کے پاس علم، تو نہیں ہوگا واسطے آپ کے اللہ (کے عذاب) سے کوئی حمایتی اور نہ کوئی بچانے والا ○

یعنی ہم نے اس قرآن اور اس کتاب کو فرمان عربی بنا کر نازل کیا ہے یعنی واضح ترین اور فصیح ترین زبان کے ذریعے سے اسے محکم اور پختہ بنا کر نازل کیا ہے تاکہ اس میں کوئی شک و شبہ واقع نہ ہو تاکہ یہ اس امر کا موجب ہو کہ صرف اسی کی اتباع کی جائے اس میں مدابہنت نہ کی جائے اور بے علم لوگوں کی خواہشات نفس میں سے اس کے متضاد اور متناقض امور کی پیروی نہ کی جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو..... درآں حالیکہ آپ معصوم ہیں..... وعید سنائی تاکہ آپ کو آپ کی عصمت یاد دلائے اور تاکہ تمام احکام میں آپ امت کے لئے نمونہ بنیں۔ فرمایا: ﴿وَلَئِنْ اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ”اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس علم کے بعد جو آپ کے پاس پہنچا“ واضح علم جو آپ کو ان کی خواہشات نفس کی پیروی سے روکتا ہے ﴿مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ﴾ ”تو نہیں ہوگا آپ کے لئے اللہ کے مقابلے میں کوئی حمایتی“ جو آپ کی سرپرستی کرے اور آپ کو آپ کا امر محبوب عطا کرے ﴿وَلَا وَاقٍ﴾ ”اور نہ کوئی بچانے والا“ جو آپ کو امر مکروہ سے بچا سکے۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ط وَ مَا كَانَ

اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے کئی رسول آپ سے پہلے، اور کیس ہم نے واسطے ان کے بیویاں اور اولاد، اور نہیں ہے (اختیار)

لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا اللَّهُ

واسطے کسی رسول کے یہ کہ وہ لے آئے کوئی نشانی (معجزہ) مگر ساتھ اللہ کے حکم کے، ہر مقررہ وعدے کیلئے لکھا ہوا (وقت) ہے ○ مٹاتا ہے اللہ

مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۖ وَ عِنْدَآ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿٣٩﴾

جو چاہتا ہے اور ثابت رکھتا ہے (جو چاہے)، اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب ○

یعنی آپ ﷺ پہلے رسول نہیں ہیں، جن کو لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے، کہ یہ لوگ آپ کی رسالت کو کوئی انوکھی چیز سمجھیں۔ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ اور آپ سے پہلے ہم نے کئی رسول بھیجے اور دیں ہم نے ان کو بیویاں اور اولاد، اس لئے آپ ﷺ کے دشمن اس وجہ سے آپ کی عیب چینی نہ کریں کہ آپ کے بیوی بچے ہیں۔ آپ کے بھائی دیگر انبیاء و مرسلین کے بھی بیوی بچے تھے۔ تب وہ آپ میں کس بات پر جرح و قدح کرتے ہیں؟ حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ آپ سے قبل انبیاء و رسل بھی اسی طرح تھے۔ ان کی یہ عیب چینی اپنی اغراض فاسدہ اور خواہشات نفس کی خاطر ہے..... اگر وہ آپ سے کوئی معجزہ طلب کرتے ہیں تو اپنی خواہش کے مطابق مطالبہ کرتے ہیں۔ آپ کو کسی چیز کا بھی اختیار نہیں۔

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ اور کسی رسول سے یہ نہیں ہوا کہ وہ لے آئے کوئی نشانی، مگر اللہ کے حکم سے“ اور اللہ تعالیٰ معجزے دکھانے کی تب اجازت دیتا ہے جب اس کی قضا و قدر کے مطابق مقرر کیا ہوا وقت آ جاتا ہے۔ ﴿لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ہر ایک وعدہ لکھا ہوا ہے۔ اور یہ مقرر کیا ہوا وقت آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے، لہذا ان کا آیات و معجزات اور عذاب کے مطالبے میں جلدی مچانا اس بات کا موجب نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرر کردہ وقت کو آگے کر دے جس کو اس نے اپنی تقدیر میں موخر کر رکھا ہے۔ بایں ہمہ کہ وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ ﴿يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، یعنی وہ اپنی مقرر کردہ تقدیر میں سے جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے ﴿وَيُثَبِّتُ﴾ اور قائم رکھتا ہے۔ یعنی اس تقدیر میں سے جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور یہ تغیر اور محو کرنا ان امور کے علاوہ ہے جن کو اس کا قلم تقدیر لکھ چکا ہے۔ پس ان امور میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ محال ہے کہ اس کے علم میں کوئی نقص یا خلل ہو۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَعِنْدَآ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔ یعنی اس کے پاس لوح محفوظ ہے۔ جس کی طرف تمام اشیاء لوٹی ہیں یہ اصل ہے اور باقی تمام اشیاء اس کی فروغ ہیں۔ پس تغیر و تبدل فروغ میں واقع ہوتا ہے مثلاً روز و شب کے اعمال جن کو فرشتے لکھ لیتے ہیں اور ان اعمال کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ اسباب فراہم کرتا ہے



اور ان کو محو کرنے کے لئے بھی اسباب مہیا کرتا ہے اور یہ اسباب اس نوشتہ تقدیر سے تجاوز نہیں کرتے جو لوح محفوظ میں مرقوم ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے نیکی، صلہ رحمی اور احسان کو لمبی عمر اور کثرت رزق کے لئے اسباب بنایا ہے، جیسے گناہوں کو رزق اور عمر میں بے برکتی کا سبب بنایا ہے۔ اور جیسے ہلاکت سے نجات کے اسباب کو سلامتی کا سبب بنایا اور جیسے ہلاکت کے مواقع میں پڑنے کو ہلاکت کا سبب بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور ارادے کے مطابق تمام امور کی تدبیر کرتا ہے اس کی تدبیر اس کے مخالف نہیں ہوتی جسے اس نے اپنے علم کے مطابق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔

وَإِنْ مَا تُرِيدُكَ بَعْضُ الَّذِينَ نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعُكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ

اور اگر ہم دکھائیں آپ کو بعض وہ (عذاب) جس کا ہم وعدہ کرتے ہیں ان سے، یا ہم وفات دیدیں آپ کو، پس آپ پر تو صرف پہنچانا ہی ہے،

وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝۳۰ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۝

اور ہم پر ہے حساب (لینا) کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ بیشک ہم چلے آتے ہیں (ان کی) زمین کو کم کرتے ہوئے اس کے اطراف سے

وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ ۖ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۳۱

اور اللہ حکم کرتا ہے، نہیں ہے کوئی رد کرنے والا اس کے حکم کو، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرمایا ہے کہ کفار کو جس عذاب کی وعید سنائی گئی ہے آپ اس کے بارے میں جلدی نہ کریں۔ اگر وہ اپنی سرکشی اور کفر پر جبرے رہے تو وہ عذاب ان کو ضرور آئے گا جس کی ان کو وعید سنائی گئی ہے۔ ﴿وَإِنْ مَا تُرِيدُكَ﴾ ”اگر دکھا دیں ہم آپ کو“، یعنی ان کو عذاب دیا جانا ہم آپ کو دنیا ہی میں دکھا دیں جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یہ نزول عذاب اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور اس کی حمد و ثنا پر مبنی ہے کوئی اس میں نقص اور خامی تلاش نہیں کر سکتا اور نہ اس میں جرح و قدح کی کوئی گنجائش ہے۔ ﴿أَوْ نَتَوَقَّعُكَ﴾ ”یا آپ کو اٹھالیں“، یعنی ان پر نزول عذاب سے قبل اگر ہم آپ کو وفات دے دیں پس آپ اس میں مشغول نہ ہوں۔ ﴿وَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ﴾ ”آپ کے ذمہ تو پہنچا دینا ہے۔“ اور مخلوق کے سامنے بیان کر دینا ہے۔ ﴿وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ ”اور حساب لینا ہمارے ذمے ہے“ ہم مخلوق سے ان کی ذمہ داریوں کا حساب لیں گے کہ انہوں نے ان کو پورا کیا ہے یا ضائع کیا ہے۔ پھر ہم انہیں ثواب سے نوازیں گے یا عذاب میں مبتلا کریں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا﴾ ”کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں“، یعنی جھٹلانے والوں کی ہلاکت اور ظالموں کے استیصال کے ذریعے سے زمین کا دائرہ ہر طرف سے تنگ کرتے چلے آ رہے

ہیں۔ نیز اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشرکین کے شہروں کی فتح، ان کے مال اور بدن میں کمی کے ذریعے سے چاروں طرف سے ان پر حلقہ تنگ ہوتا جا رہا ہے..... اس کی تفسیر میں بعض دیگر اقوال بھی ہیں۔

اس کے ظاہر معنی یہ ہیں..... واللہ تعالیٰ اعلم..... کہ اللہ تعالیٰ نے ان جھٹلانے والوں کی اراضی کی حالت یہ بنا دی کہ وہ فتح ہو رہی ہیں اور چھینی جا رہی ہیں، ان پر چاروں طرف سے مصائب ٹوٹ رہے ہیں، ان کی جان و مال میں کمی سے پہلے یہ ان کے لئے تنبیہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان پر ایسے عذاب نازل کر رہا ہے جسے کوئی رد کرنے پر قادر نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ﴾ اور اللہ فیصلہ کرتا ہے، اس کے فیصلے کو کوئی پیچھے ڈالنے والا نہیں، اس میں اللہ تعالیٰ کا حکم شرعی، حکم کوئی و قدری اور حکم جزائی داخل ہے۔ یہ تمام احکام جن کا اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے، حکمت اور نجات کے بلند ترین درجے پر پائے جاتے ہیں، جن میں کوئی نقص اور کوئی خلل نہیں۔ بلکہ یہ تمام احکام عدل و انصاف اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء پر مبنی ہیں کوئی ان فیصلوں میں خامی اور نقص تلاش نہیں کر سکتا اور نہ ان میں جرح و قدح کی کوئی گنجائش ہے۔ اس کے برعکس دیگر ہستیوں کے فیصلے کبھی حق و صواب کے موافق ہوتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے۔ ﴿وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ اور وہ جلد حساب لینے والا ہے، یعنی وہ عذاب کے مطالبے میں جلدی نہ چائیں کیونکہ ہر وہ چیز جسے آنا ہے وہ قریب ہوتی ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَبِلَهُ الْكَرُ جَبِيعًا ط يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ط وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِبِيَ الدَّارِ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ط  
نفس، اور عن قریب جان لیں گے کافر کس کیلئے ہے (اچھا) انجام آخرت کا؟ اور کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہے تو رسول، قُلْ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۝ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝  
آپ کہہ دیجئے، کافی ہے اللہ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان، اور وہ شخص (بھی) کہ اس کے پاس ہے علم کتاب کا

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ان سے پہلے لوگوں نے بھی چال چلی۔ یعنی انہوں نے اپنے رسولوں اور اس حق کے خلاف سازشیں کیں جنہیں لے کر رسول آئے تھے مگر ان کی چالیں اور سازشیں کسی کام نہ آئیں اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے۔ کیونکہ وہ اللہ کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔ ﴿فَبِلَهُ الْكَرُ جَبِيعًا﴾ پس اللہ کے ہاتھ میں ہے سب تدبیر، یعنی کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کوئی چال چلنے پر قادر نہیں اور یہ چال اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کے تحت آتی ہے۔ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف سازشیں کرتے ہیں لہذا ان کی سازش اور چال ناکامی اور ندامت کا داغ لے کر انہی کی طرف لوٹے گی۔ ﴿يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر نفس، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر جان کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا کمائی کی



یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک نفس کے عزم و ارادے اور ظاہری اور باطنی اعمال کو خوب جانتا ہے۔ مگر اور سازش بھی لازمی طور پر انسان کے اکتساب میں شمار ہوتے ہیں، پس ان کا مکر اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں۔ اس لئے یہ متمنع ہے کہ ان کی چال حق اور اہل حق کو نقصان پہنچا کر ان کو کوئی فائدہ دے۔ فرمایا: ﴿وَسَيَعْلَمُ الْكَافِرِينَ عَقَبَى الدَّارِ﴾ اور عنقریب جان لیں گے کافر کہ کس کے لئے ہے گھر عاقبت کا، یعنی اچھا انجام کفار کے لئے ہے یا اللہ کے رسولوں کے لئے؟ اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ اہل تقویٰ کی عاقبت اچھی ہے۔ کفر اور اہل کفر کی عاقبت اچھی نہیں ہے۔

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا﴾ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ بھیجے ہوئے نہیں ہیں، یعنی کفار آپ ﷺ کی اور اس حق کی تکذیب کرتے ہیں جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے ﴿قُلْ﴾ اگر وہ آپ سے گواہ طلب کریں تو ان سے کہہ دیجئے ﴿كُفِيَ بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے، اور اس کی گواہی اس کے قول و فعل اور اقرار کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

قول کے ذریعے سے اس کی شہادت یہ ہے کہ اس نے یہ قرآن مخلوق میں سب سے گچی ہستی پر نازل فرمایا جو آپ ﷺ کی رسالت کو ثابت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی تائید سے نوازا اور آپ کو ایسی فتح و نصرت عطا کی جو آپ کی آپ کے اصحاب اور آپ کے متبعین کی قدرت و اختیار سے باہر تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فعل و تائید کے ذریعے سے شہادت ہے۔ اقرار کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی شہادت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خبر دی کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور اس نے لوگوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کریں۔ پس جو کوئی آپ کی اطاعت کرتا ہے اس کے لئے اللہ کی رضا مندی اور اس کی کرامت ہے اور جو کوئی آپ کی اطاعت نہیں کرتا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم ہے اور اس کا خون اور مال حلال ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے دعوے پر برقرار رکھتا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ باندھا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں آپ کو عذاب دے دیتا۔

﴿وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾ اور جس کو خبر ہے کتاب کی، یہ آیت کریمہ اہل کتاب کے تمام علماء کو شامل ہے۔ کیونکہ ان میں سے جو کوئی ایمان لا کر حق کی اتباع کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی گواہی دیتا ہے اور نہایت صراحت سے آپ کے حق میں شہادت دیتا ہے اور ان میں سے جو کوئی گواہی کو چھپاتا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی خبر کہ اس کے پاس شہادت ہے اس کی خبر سے زیادہ بلیغ ہے۔ اگر اس کے پاس شہادت نہ ہوتی، تو دلیل کے ساتھ اپنے طلب شہادت کو رد کر دیتا۔ پس اس کا سکوت دلالت کرتا ہے کہ اس کے پاس رسول کے حق میں شہادت موجود ہے جو اس نے چھپا رکھی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل کتاب سے گواہی لینے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ وہ گواہی دینے کی اہلیت رکھتے ہیں

ہر معاملے میں صرف اسی شخص سے گواہی لی جانی چاہیے جو اس کا اہل ہو اور دوسروں کی نسبت اس بارے میں زیادہ علم رکھتا ہو۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اس معاملے میں بالکل اجنبی ہوں، مثلاً ان پڑھ مشرکین عرب وغیرہ تو ان سے شہادت طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ انہیں اس معاملے کی کوئی خبر ہے نہ انہیں اس کی معرفت ہی حاصل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

## تفسیر سُوْرَةِ اِبْرٰہِیْمَ

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شرح) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

سُوْرَةُ اِبْرٰہِیْمَ  
(۱۴۱) عَمَّیْنِ

اِبْرٰہِیْمَ  
۵۲  
رُحْمٰہِیْمَ ۵

الرَّحْمٰنُ کَتَبَ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّہُمْ  
الْقُرْآنِ (یہ) عظیم الشان کتاب ہے، نازل کیا ہے ہم نے اسے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو اندھیروں سے جا لے کی طرف، کذب کے حکم سے،  
اِلَی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ① اللّٰہُ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ  
اسکداتے کی طرف جو غالب ہے، قابل تعریف ہے ① (یعنی) اللہ (کی طرف) کوہ ذات کہ اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے،  
وَوِیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ② الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا  
اور ہلاکت ہے واسطے کافروں کے سخت عذاب سے ② وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں زندگی دنیا کو  
عَلٰی الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَہَا عَوْجًا  
اوپر آخرت کے اور وہ روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے، اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی

### اُولٰٓئِکَ فِی ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ③

یہ لوگ ہیں دور کی گمراہی میں ③

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے مخلوق کے فائدے کے لئے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو کفر و جہالت، اخلاقِ بد اور مختلف اقسام کے گناہوں کی تاریکی سے نکال کر علم و ایمان اور اخلاقِ حسنہ کی روشنی میں لے جائے اور فرمایا ﴿بِاِذْنِ رَبِّہُمْ﴾ ”ان کے رب کے حکم سے“، یعنی اللہ تعالیٰ کی محبوب مراد صرف اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اس کی مدد ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں بندوں کے لئے ترغیب ہے کہ وہ اپنے رب سے مدد طلب کریں۔ پھر اللہ نے اس ”نور“ کی تفسیر بیان فرمائی جس کی طرف یہ کتاب راہنمائی کرتی ہے چنانچہ فرمایا: ﴿اِلَی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ ”غالب اور قابل تعریف (اللہ) کے راستے کی طرف“، یعنی اللہ تعالیٰ کے عزت و تکریم والے گھر تک پہنچانے والا راستہ جو حق کے علم اور اس پر عمل کو متضمن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے راستے کا ذکر کرنے کے بعد ﴿الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ﴾ کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ



ہے کہ جو کوئی اس راستے پر گامزن ہوتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے کوئی اعوان و انصار نہ ہوں تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے غلبے کے ساتھ غالب اور طاقتور ہے وہ اپنے تمام امور میں قابل ستائش اور اچھے انجام کا مالک ہے۔ نیز یہ اس بات پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور نعوت جلال پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور جس نے اپنے بندوں کے لئے یہ راستہ مقرر کیا ہے وہ غالب قوت والا اپنے اقوال و افعال اور احکام میں قابل ستائش ہے۔ وہ معبود ہے اور تمام عبادات کا مستحق ہے یہ عبادات اس صراط مستقیم کی منازل ہیں۔ اللہ تعالیٰ تخلیق رزق اور تدبیر کے اعتبار سے جس طرح آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اسی طرح وہ اپنے بندوں پر احکام دینی بھی نافذ کرتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملکیت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں کہ وہ ان کو بے فائدہ چھوڑ دے۔

جب اللہ تعالیٰ نے دلیل اور برہان واضح کر دی تو اس نے ان لوگوں کو سخت و عید ستائی ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَوَيْلٌ لِلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ اور ہلاکت ہے کافروں کے لئے سخت عذاب کی صورت میں، یعنی اس کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے نہ اس کا وصف بیان کیا جاسکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآٰخِرَةِ﴾ ”وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں آخرت پر“ پس وہ دنیا پر راضی اور مطمئن ہو کر آخرت سے غافل ہو گئے۔ ﴿وَيَصُدُّونَ﴾ اور (لوگوں کو) روکتے ہیں“ ﴿عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ ”اللہ کے راستے سے“ وہ راستہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے اور اسے اپنی کتابوں میں اور اپنے رسولوں کی زبان پر خوب بیان کر دیا ہے مگر یہ لوگ اپنے آقا و مولا کے مقابلے میں عداوت و محاربت کا اظہار کرتے ہیں ﴿وَيَبْغُونَهَا﴾ اور تلاش کرتے ہیں اس میں، یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں ﴿عَوَجًا﴾ ”کجی“، یعنی وہ اس راستے کو خراب کرنا چاہتے ہیں تاکہ اس کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کفار کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ یعنی وہ لوگ جن کا وصف بیان کیا گیا ہے، ﴿فِي صُلٰىبٍ بَعِيْبٍ﴾ ”دور کی گمراہی میں ہیں“ کیونکہ وہ خود گمراہ ہوئے لوگوں کو گمراہ کیا انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور ان کے خلاف جنگ کی۔ پس اس سے بڑھ کر اور کون سی گمراہی ہے؟ لیکن اہل ایمان کا معاملہ اس کے برعکس ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے ہیں وہ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں وہ امکان بھر اس راستے کو خوبصورت بناتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ سیدھا رہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ

اور ہمیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر زبان میں اسی کی قوم کی تاکہ وہ (کھول کر) بیان کرے ان کے لئے، پھر گمراہ کرتا ہے اللہ

مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٥﴾

جسے چاہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہے، اور وہ غالب ہے نہایت حکمت والا ○

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ ”اس نے ہر ایک رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تاکہ وہ ان کے سامنے ان امور کو واضح کرے جن کے وہ محتاج ہیں“ اور وہ ان کی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں کتاب لے کر آیا ہوتا تو وہ اس زبان کو سیکھنے کے محتاج ہوتے جس میں رسول کلام کرتا ہے تب کہیں جا کر رسول کی باتیں ان کی سمجھ میں آتیں۔ پس جب رسول ان تمام امور کو بیان کر دیتا ہے جن کا انہیں حکم دیا گیا اور جن سے ان کو روکا گیا ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تو ان میں سے جو لوگ ہدایت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ ان کو گمراہ کر دیتا ہے اور جن کو اپنی رحمت کے لئے مختص کر لیتا ہے ان کو راہ ہدایت سے نواز دیتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اور وہ غالب حکمت والا ہے“ جس کا غلبہ یہ ہے کہ وہ ہدایت دینے، گمراہ کرنے اور جس طرف چاہے دلوں کو پھیر دینے میں منفرد ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی کو اسی مقام پر واقع کرتا ہے جو ان کے لائق ہے۔ اس آیت کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ علوم عربیہ، جن کے ذریعے سے کلام اللہ اور کلام رسول کی توضیح و تبیین ہوتی ہے، امور مطلوبہ میں شمار ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں کیونکہ ان کے بغیر کتاب اللہ کی معرفت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ البتہ اگر لوگوں کی حالت یہ ہو کہ وہ ان علوم عربیہ کے محتاج نہ ہوں اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ انہیں عربی زبان پر عبور حاصل ہو اور ان کے چھوٹے بچوں نے عربی زبان میں تعلیم و تربیت حاصل کی ہو اور عربی زبان ان کی طبیعت بن گئی ہو تو اس صورت میں اس مشقت میں پڑنے کی ان کو ضرورت نہیں اور وہ ابتدا ہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دین اس طرح اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (بغیر علوم آلیہ اور عربیہ کے) دین اخذ کیا تھا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ  
اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو ساتھ اپنی آیتوں (عجزوں) کے یہ کہ نکال تو اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف،  
وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝۵ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ  
اور یاد دلا انہیں احسانات اللہ کے، بیشک ان میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے ہر صابر شاکر کے ۵ اور (یاد کرو) جب کہا موسیٰ نے  
لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ  
اپنی قوم سے، یاد کرو تم نعمت اللہ کی اوپر اپنے، جب اس نے نجات دی تمہیں آل فرعون سے، وہ پہنچاتے تھے تم کو سخت  
الْعَذَابِ وَيَدْبَحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ  
عذاب، اور ذبح کرتے تھے وہ بیٹے تمہارے اور زندہ چھوڑتے تھے بیٹیاں تمہاری، اور اس میں آزمائش تھی  
مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝۶ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ  
تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی اور جب آگاہ کر دیا (تھا) تمہارے رب نے، البتہ اگر شکر کرو گے تم کو یقیناً (اور) زیادہ دلوں گا میں تمہیں



وَلَكِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنْتُمْ

اور البتہ اگر کفر کرو گے تم تو بلاشبہ میرا عذاب بھی بہت سخت ہے ۝ اور کہا موسیٰ نے، اگر کفر کرو گے تم

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۚ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

اور وہ لوگ جو زمین میں ہیں سارے، تو بے شک اللہ یقیناً بے پروا، قابل تعریف ہے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی بڑی بڑی نشانیوں کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جو آپ کی رسالت کی صداقت اور صحت پر دلالت کرتی تھیں اور ان کو بھی وہی حکم دیا جو اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے بلکہ یہ وہی حکم ہے جو تمام انبیاء و مرسلین نے اپنی قوم کو دیا تھا ﴿أَنْ أَخْرِجَ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ”یہ کہ نکال اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف“، یعنی جہالت، کفر اور اس کی فروعات کی تاریکیوں سے نکال کر علم، ایمان اور اس کے توابع کی روشنی کی طرف۔ ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ ”اور یاد دلا ان کو اللہ کے دن“، یعنی ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور اس کے احسانات اور جھٹلانے والی قوموں (کفار) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سلوک اور وقائع یاد دلایئے تاکہ یہ اس کی نعمت کا شکر ادا کریں اور اس کے عذاب سے ڈریں۔ ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ﴾ ”اس میں“، یعنی بندوں کے متعلق ایام الہی میں ﴿لَايَةً لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ ”ہر صابر و شاکر کے لئے نشانیاں ہیں“، یعنی مصائب، تکلیف اور تنگی میں نہایت صابر اور خوشحالی اور نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے۔

ایام الہی سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت بے پایاں احسان اور اپنے کامل عدل و حکمت پر استدلال کیا ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی اور ان کو اللہ کی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ ”اللہ نے تم پر جو انعامات کیے ہیں ان کو یاد کرو۔“، یعنی اپنے دل اور زبان سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو۔ ﴿إِذْ أَنْجَلَكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ﴾ ”جب اس نے تمہیں فرعونوں سے بچایا، وہ چکھاتے تھے تمہیں“، یعنی تمہیں عذاب دیتے تھے ﴿سُوءَ الْعَذَابِ﴾ ”برے عذاب“، یعنی سخت ترین عذاب پھر اس عذاب کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَيَذَّابْحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ﴾ ”اور وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے“، یعنی وہ تمہاری عورتوں کو قتل نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو زندہ رکھتے تھے ﴿وَفِي ذَلِكُمْ﴾ ”اور اس میں“، یعنی اس نجات میں ﴿بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ ”تمہارے رب کی طرف سے عظیم نعمت تھی۔“، یعنی عظیم نعمت تھی یا (اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ) اس عذاب میں جس میں تمہیں فرعون اور اس کے سرداروں نے مبتلا کیا تھا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی تاکہ وہ دیکھے کہ آیا تم اس سے عبرت حاصل کرتے ہو یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمتوں پر شکر کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ ”جب تمہارے

رب نے آگاہ کیا، یعنی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا اور وعدہ کیا ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ”اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا“، یعنی اپنی نعمتوں میں اضافہ کروں گا ﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ ”اور اگر تم نے کفر کیا“ تو میرا عذاب نہایت سخت ہے“ عذاب کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کو زائل کر دے جو انہیں عطا کی تھیں۔ شکر سے مراد دل سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف کرنا، ان نعمتوں پر دل سے اس کی حمد و ثنا کرنا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق صرف کرنا ہے۔ اور ان امور کے برعکس رویہ اختیار کرنا، کفرانِ نعمت ہے۔ ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ ”موسیٰ نے کہا، اگر تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے کفر کریں“ تو تم اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَغَفِيرٌ حَمِيدٌ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے سب خوبیوں والا۔ پس نیکیاں اس کی بادشاہی میں اضافہ کر سکتی ہیں نہ گناہ اس کی بادشاہی میں کوئی کمی واقع کر سکتے ہیں وہ غنا میں کامل ہے اور وہ اپنی ذات، اپنے اسماء و صفات اور افعال میں قابلِ حمد و ستائش ہے اس کی ہر صفت، صفتِ حمد و کمال ہے۔ اس کا ہر نام اچھا نام ہے اور اس کا ہر فعل، فعلِ جلیل ہے۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ  
کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) قومِ نوح اور عاد اور ثمود کی، اور وہ لوگ جو  
مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ط جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا  
انکے بعد ہوئے نہیں جانتا انہیں (کوئی بھی) سوائے اللہ کے، آئے تھے انکے پاس رسول انکے واضح دلیلوں کیساتھ، پس لوٹے انہوں نے  
أَيِّدِيهِمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا  
اپنے ہاتھ اپنے منہوں میں اور کہا، بیشک ہم نہیں مانتے اس چیز کو کہ بھیجے گئے ہو تم ساتھ اس کے، اور بیشک ہم تو اب اتنے ایسے شک میں ہیں اس سے کہ  
تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٌ ④ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ  
تم دلاتے ہو ہمیں اکی طرف، جو مضطرب میں ڈالنے والا ہے ۵ کہا انکے رسولوں نے کیا اس اللہ کی بات شک ہے (تمہیں) جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں  
وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُخْرِجَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ط  
اور زمین کا؟ وہ بلاتا ہے تمہیں تاکہ وہ بخش دے تمہارے لیے تمہارے گناہ، اور (تاکہ) مہلت دے تمہیں ایک وقت مقرر (موت) تک،  
قَالُوا إِن أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ط تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ  
انہوں نے کہا، نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے ہی تم چاہتے ہو یہ کہ روک دو ہمیں ان (معبودوں) سے کہ تھے (ان کی) عبادت کرتے  
أَبَاؤُنَا فَاتُّونَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ⑤ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ  
باپ دادا ہمارے، پس لے آؤ تم ہمارے پاس کوئی دلیل واضح ۶ کہا ان سے ان کے رسولوں نے نہیں ہیں ہم مگر بشر  
مِثْلَكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ط وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ  
تم جیسے ہی، لیکن اللہ احسان کرتا ہے لو پر جس کے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، اور نہیں ہے (اختیار) واسطے ہمارے یہ کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس



سُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلٰى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا لَنَا اِلَّا

کوئی معجزہ بغیر حکم اللہ کے، اور اوپر اللہ ہی کے پس چاہیے کہ بھروسہ کریں مومن ۝ اور کیا (عذر) ہے ہمارے لئے کہ نہ

نَتَّوَكَّلَ عَلٰى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَا

بھروسہ کریں ہم اوپر اللہ کے جبکہ اس نے دکھائیں ہمیں ہماری (ہدایت کی) راہیں؟ اور البتہ ہم ضرور صبر کریں گے اوپر اس کے

اٰذِیْتُنَا وَعَلٰى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

جواذیت دیتے ہو تم ہمیں، اور اوپر اللہ ہی کے پس چاہیے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے ۝

جھٹلانے والی قوموں کے پاس جب ان کے رسول آئے اور انہوں نے ان کو جھٹلایا تو ان قوموں پر عذاب

نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا ہی میں ان کو جو سزا دے دی یہ عذاب لوگوں نے دیکھا اور سنا، پس اللہ تعالیٰ

اپنے بندوں کو اس عذاب سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ يَاۤتِكُمْ نَبَاُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمٌ نُوحٍ وَّعَادٍ

وَّثَمُوْدٍ﴾ ”کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح، عاد اور ثمود“ اللہ تعالیٰ نے اپنی

کتاب میں نہایت بسط و تفصیل سے ان کے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ ﴿وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ

اِلَّا اللّٰهُ﴾ ”اور جو ان کے بعد ہوئے، جن کو صرف اللہ جانتا ہے“ ان کی کثرت اور ان کی تاریخ مٹ جانے کی

وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا ﴿جَاۤءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ”ان کے پاس ان کے رسول

نشانیاں لے کر آئے“ یعنی ان کے رسول ان کے پاس ایسے دلائل لے کر آئے جو ان کی تعلیمات کی صداقت پر

دلائل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی رسول مبعوث فرمایا اس کو ایسی آیات عطا فرمائیں جو انسان کے بس میں

نہ تھیں۔ جب ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان دلائل کے سامنے سر تسلیم خم

نہ کیا بلکہ انہوں نے نہایت تکبر کے ساتھ ان کو ٹھکرا دیا۔ ﴿فَرَدَّوْاۤ اَیْدِیْہُمْ فِیۡۤ اَفْوَاهِہُمْ﴾ ”پس لوٹائے انہوں

نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں“ یعنی وہ اس وحی پر ایمان نہ لائے جو رسول لے کر آئے تھے انہوں نے کوئی ایسی

بات نہ کہی جو ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہو۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے۔ ﴿یَجْعَلُوْنَ

اَصَابِعُہُمْ فِیۡۤ اٰذَانِہُمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حُدُودَ الْمَوْتِ﴾ (البقرة: ۱۹۲) ”تو یہ بجلی کی کڑک سے ڈر کر موت کے

خوف سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں“

﴿وَقَالُوْا﴾ اور صراحت کے ساتھ اپنے رسولوں سے انہوں نے کہا: ﴿اِنَّا کَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ وَاِنَّا

لَفِیۡ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہٖ مُّرِیْبٍ﴾ ”ہم نے انکار کیا اس چیز کا جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا اور بے شک ہمیں

اس چیز میں جس کی طرف تم ہمیں بلارہے ہو ایک خلجان میں ڈالنے والا شک ہے۔

اس بارے میں انہوں نے یقیناً جھوٹ کہا تھا اور ظلم کیا تھا۔ اسی لئے ﴿قَالَتْ رُسُلُہُمْ﴾ ”ان کے رسولوں نے

(ان سے) کہا: ﴿اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ﴾ ”کیا اللہ کے بارے میں بھی شک ہے؟“ یعنی اللہ تعالیٰ کا وجود واضح ترین اور روشن ترین حقیقت ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کرتا ہے ﴿فَاَطِرِ السَّمَوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔“ یعنی جس کے وجود پر تمام اشیاء کے وجود کا دار و مدار ہے۔ تو اس کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں جو معلوم ہو حتیٰ کہ امور محسوسہ بھی اس کی تائید نہیں کرتے۔ اس لئے انبیاء و مرسلین نے ان کو اس طرح خطاب فرمایا ہے کہ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ﴿یَدْعُوکُمْ﴾ ”وہ تمہیں بلاتا ہے“ یعنی وہ تمہیں تمہارے فائدے کے امور اور تمہارے مصالح کی طرف بلاتا ہے ﴿لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِنْ ذُنُوبِکُمْ وَیُوَخِّرَکُمْ اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی﴾ ”تا کہ تمہارے گناہ بخشے اور فائدہ پہنچانے کے لیے ایک مدت مقرر تک تم کو مہلت دے۔“ یعنی تمہیں رسول کی دعوت پر لبیک کہنے کے اجر میں دنیاوی اور اخروی ثواب عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے دعوت نہیں دی کہ تمہاری عبادت سے مستفید ہو بلکہ تمہاری عبادت کا فائدہ تمہاری ہی طرف لوٹے گا۔ انہوں نے اپنے رسولوں کی دعوت کو اس طرح ٹھکرا دیا جیسے جاہل اور بے قوف لوگ ٹھکراتے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ ”انہوں نے اپنے رسولوں سے کہا ﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ ”تم تو ہم جیسے انسان ہی ہو،“ یعنی تمہیں ہم پر نبوت اور رسالت کی بنا پر کیسے فضیلت حاصل ہے؟ ﴿ثُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَ اَعْمَآءًا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا﴾ ”تم چاہتے ہو کہ تم ہمیں ان چیزوں سے روک دو جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے رہے“ تب ہم تمہاری رائے کی خاطر اپنے آباء و اجداد کی سیرت اور ان کے نظریات کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں اور ہم کیسے تمہاری اطاعت کر سکتے ہیں جب کہ تم ہماری ہی طرح انسان ہو؟ ﴿فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبٰیْنٍ﴾ ”پس ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل لاؤ۔“ یعنی واضح دلیل اور حجت پیش کرو اور دلیل سے ان کی مراد وہ آیت اور معین مجزہ تھا جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے حالانکہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ ان کے رسول ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے۔

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ﴾ ”ان کے رسولوں نے ان کے مطالبے اور اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ﴾ ”ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں۔“ یعنی یہ صحیح اور حقیقت ہے کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں ﴿وَلٰکِنْ﴾ ”مگر تمہارا یہ اعتراض اس حق کو باطل نہیں کر سکتا جسے ہم لے کر آئے ہیں“ کیونکہ ﴿اللّٰهُ یَمُنُّ عَلٰی یَشَآءٍ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ ”اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔“ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی وحی اور رسالت سے نوازا دیا تو یہ اس کا فضل و احسان ہے اور کسی کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو روک سکے اور اس کو اس کی نوازشوں سے منع کر سکے۔ تم اس چیز میں غور کرو جو ہم تمہارے پاس لے کر آئے ہیں اگر وہ حق ہے تو اسے قبول کر لو اور اگر وہ حق نہیں ہے تو بے شک اسے ٹھکرا دو۔ مگر ہم جو کچھ لے کر آئے اسے ٹھکرانے کے لئے ہمارے حال کو اپنے لئے دلیل نہ بناؤ اور تمہارا یہ کہنا ﴿فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبٰیْنٍ﴾ ”کوئی واضح



دلیل لے کر آؤ، تو یہ چیز ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے اور ہمارے اختیار میں تو کچھ بھی نہیں۔

﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ ”ہمارا کام نہیں کہ تمہارے پاس کوئی دلیل لے آئیں“ مگر اللہ کے حکم سے، یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے اگر وہ چاہے تو تمہارے پاس معجزہ لے آئے اور اگر وہ نہ چاہے تو تمہارے پاس معجزہ نہ لائے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی حکمت اور رحمت کے تقاضے کے مطابق کرتا ہے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہی پر“ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر نہیں ﴿فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”چاہیے کہ مومن بھروسہ کریں“ پس وہ اپنے مصالح کے حصول اور ضرر کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کفایت تامہ قدرت کاملہ اور بے پایاں احسان کا مالک ہے۔ جلب مصالح اور دفع ضرر میں آسانی پیدا کرنے میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور ان کا توکل ان کے ایمان کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے توکل کا وجوب مستفاد ہوتا ہے نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توکل لوازمات ایمان اور بڑی بڑی عبادات میں شمار ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور جن پر اللہ تعالیٰ راضی ہے کیونکہ تمام عبادات توکل پر موقوف ہیں۔ ﴿وَمَا لَنَا أَلَّا تَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سَبِيْلًا﴾ ”اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں اور وہ بھلا چکا ہمیں ہماری راہیں“ یعنی کون سی چیز ہمیں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے سے روک سکتی ہے۔ حالانکہ ہم واضح حق اور ہدایت پر ہیں اور جو کوئی حق اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے تو یہ ہدایت اس کے لئے توکل کی تکمیل کی موجب بنتی ہے۔ اسی طرح یہ معلوم ہونا کہ، اللہ تعالیٰ راہ ہدایت پر چلنے والے کے بوجھ کی کفالت کرتا اور اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، توکل کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے برعکس جو کوئی حق اور ہدایت کی راہ اختیار نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی کفالت و کفایت کا ضامن نہیں ہوتا، پس اس کا حال متوکل کے حال کے برعکس ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں انبیاء و مرسلین کی طرف سے گویا اپنی قوم کے لئے ایک عظیم معجزے کی طرف اشارہ ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کی قوم غالب حالات میں اقتدار اور غلبہ کی مالک ہوتی ہے۔ اس کے رسول ان کو مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ ان کی چالوں اور سازشوں کو ناکام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی کفایت کا پورا یقین ہے اور کفار کی انبیاء و مرسلین کی تیغ کشی کی خواہش اور نور حق کو بھانے کی حرص کے باوجود اللہ نے انبیاء و مرسلین کی کفایت کی اور انہیں کفار کے مکر و کید سے بچایا۔

یہ جناب نوح علیہ السلام کے اس قول کی مانند ہے جو انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿يَقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي وَتَذٰكِرِيْ بِآيٰتِ اللّٰهِ فَعَلٰى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاجْعَلُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ عُقْبَةً ثُمَّ اَقْضَوْا اِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُوْنَ﴾ (یونس: ۷۱/۸۰) ”اے میری قوم! اگر تمہارے درمیان میرا قیام اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعے سے تمہیں میرا نصیحت کرنا تم پر گراں گزرتا ہے تو میرا توکل اللہ پر ہے“

پس تم اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو ساتھ لے کر ایک فیصلے پر متفق ہو جاؤ اور تمہارے اس فیصلے کا کوئی پہلو تم پر پوشیدہ نہ رہے پھر میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہو کر گزرو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔“ اسی طرح ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُ قَوْمِي بِرَبِّي ۖ وَمِمَّا تَشْكُرُونَ ۝ مِنْ دُونِهِ فَلْيُكْفِرُوا مِنِّي جَمِيعًا ۖ لَنْ نَنْظُرَهُمْ﴾ (ہود: ۵۴، ۵۵) ”میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تم نے جو اللہ کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں میں ان سے بیزار ہوں پس تم سب مل کر میرے خلاف چال چل لو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔“

﴿وَلَنْصَبِرَنَّ عَلَىٰ مَا أذَيْتُمُونَا﴾ ”اور ہم ضرور ان تکلیفوں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دو گے“ یعنی ہم تمہیں حق کی دعوت دیتے اور تمہیں وعظ و نصیحت کرتے رہیں گے اور تمہاری طرف سے ہمیں جو تکلیف پہنچے گی ہم اس کی پروا نہ کریں گے ہم اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کرتے ہوئے اپنے آپ کو تمہاری اذیتوں کا عادی بنائیں گے۔ شاید کثرت نصیحت کی بنا پر اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نواز دے۔ ﴿وَعَلَى اللَّهِ﴾

”اور صرف اللہ پر“ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نہیں، ﴿فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ﴾ ”چاہیے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے۔“ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر توکل ہر بھلائی کی کنجی ہے..... آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ انبیاء و مرسلین توکل کے بہترین مطالب اور بلند ترین مراتب پر فائز ہیں اور وہ ہے اقامت دین میں اللہ تعالیٰ کی مدد میں اس کے بندوں کی راہنمائی اور ان سے گمراہی کے ازالے میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا اور یہ کامل ترین توکل ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُدَّنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَاوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۖ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۖ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ

اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا، اپنے رسولوں سے البتہ ہم ضرور نکال دیں گے تمہیں اپنی زمین سے، یا تم واپس آ جاؤ ﴿فَاوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۖ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ﴾ ہمارے دین میں، پس وحی کی انکی طرف انکے رب نے کہ یقیناً ہم ضرور ہلاک کر دیں گے ظالموں کو اور یقیناً ہم ضرور آباد کر دیں گے تمہیں اس زمین میں ﴿مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۖ﴾ بعد انکے، یہ (عہدہ) اس شخص کیلئے ہے جو ڈرے میرے سامنے کھڑا ہونے سے اور ڈرے میری وعید سے اور فتح طلب کی انہوں نے، باور نام کام ہوا ﴿كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۖ﴾ ﴿مَنْ وَرَّأَيْهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ۖ﴾ ہر سرکش، عناد رکھنے والا اور آگے اس کے جہنم ہے، اور وہ پلایا جائے گا پانی (جہنمیوں کی) پیپ کا ﴿يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ ۖ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ﴾ وہ گھونٹ گھونٹ پئے گا، اور نہیں قریب کہ اتار سکے وہ اس کو خلق سے، اور آئیگی اس کو موت ہر طرف سے، اور نہیں ہوگا وہ

بَسِيطٌ وَمَنْ وَرَّأَيْهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۖ

مرنے والا، اور اس (عذاب) سے آگے (اور) عذاب ہوگا نہایت سخت ○



جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کی اپنی قوم کے سامنے دعوت اس پر دوام اور عدم ملال کا ذکر فرمایا، تو ان کی قوم کے ساتھ ان کا منہ بے حال بھی بیان فرمایا، چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ﴾ اور جو کافر تھے انہوں نے اپنے رسولوں سے کہا، ان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا: ﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدَنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ ”ہم تمہیں اپنے وطن سے نکال دیں گے یا پھر تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ“ یہ انبیاء کی دعوت کو ٹھکرانے کا سب سے زیادہ بلیغ طریقہ ہے اور اس کے بعد ان پر کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ انہوں نے ہدایت ہی سے روگردانی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے رسولوں کو ان کے وطن سے نکال دینے کی بھی دھمکی دی اور وطن کو صرف اپنی طرف منسوب کیا، ان کا زعم تھا کہ وطن پر رسولوں کا کوئی حق نہیں۔ اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روئے زمین پر پھیلایا اور ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا اور زمین اور زمین کی ہر چیز کو ان کے لئے مسخر کر دیا، اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ان چیزوں سے مدد لیتے ہیں۔ پس جو کوئی ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں استعمال کرتا ہے یہ اس کے لئے جائز ہیں اور اس پر کوئی گرفت نہیں اور جو کوئی ان کو کفر اور مختلف قسم کے گناہ اور معاصی میں استعمال کرتا ہے تو یہ اشیاء اس کے لئے خالص ہیں نہ اس کے لئے حلال ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دشمنان انبیاء درحقیقت زمین کی کسی شے کے مالک نہیں، وہ زمین سے جس سے وہ انبیاء کرام کو جلا وطن کرنے کی دھمکی دیتے ہیں اس کی کسی چیز کے بھی مالک نہیں..... اگر ہم مجرد عادت کی طرف رجوع کریں تو انبیاء و مرسلین بھی اہل بلاد میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے وطن ہی میں بسنے والے افراد ہیں، تب وہ انہیں ان کے واضح اور صریح حق سے کیوں محروم کر رہے ہیں کیا یہ تمام تر دین اور مروت کے منافی نہیں؟..... اسی لئے جب رسولوں کے خلاف ان کی سازشیں اس حال کو پہنچ گئیں تو اس کے سوا کچھ باقی نہ رہا کہ اللہ اپنے حکم کو نافذ کر دے اور اپنے اولیاء کی مدد کرے۔ ﴿فَاَوْتٰی اِلَیْھِم رَبُّھُمْ لَنُھْلِكَنَّ الظَّالِمِیْنَ﴾ ”پس ان کے رب نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے“ عذاب کی مختلف اقسام کے ذریعے سے۔ ﴿وَلَنَسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِھُمْ ذٰلِکَ﴾ ”اور ان کے بعد ہم تم کو زمین میں آباد کریں گے“ یعنی یہ اچھا انجام جس سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل اور ان کے پیروکاروں کو بہرہ ور کیا، اس شخص کی جزا ہے ﴿لَیْسَ خَافَ مَقَامِیْ﴾ ”جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے“ یعنی جو دنیا میں، مرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نگاہبانی کا اس شخص کی مانند خوف کھاتا ہو جسے علم ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ ﴿وَخَافَ وَعَبِدَ﴾ ”اور میرے عذاب سے خوف کرے۔“ یعنی میری وعید سے ڈرتا ہو جو میں نے اپنے نافرمانوں کو سنائی ہے، پس یہ ڈر اس بات کا موجب ہے کہ وہ ان امور سے رک جائے جن کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اور ان کی طرف سبقت کرے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

﴿وَأَسْتَفْتَحُوا﴾ اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا، یعنی کفار نے۔ یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے اس کے اولیاء اور اس کے اعداء کے درمیان تفریق و امتیاز کے مطالبے میں جلدی مچائی، پس انہوں نے جو فیصلہ طلب کیا تھا، وہ ان کے پاس آ گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو نہایت حلم والا ہے۔ وہ اپنے نافرمانوں کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ ﴿وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ﴾ اور نامراد ہوا ہر سرکش ضدی، یعنی جو اللہ تعالیٰ حق اور اللہ کے بندوں کے مقابلے میں سرکشی دکھاتا ہے زمین میں تکبر کرتا ہے اور انبیاء و رسل کے خلاف عناد رکھتا ہے اور ان کی مخالفت کرتا ہے، وہ دنیا و آخرت میں خائب و خاسر ہوتا ہے۔

﴿مَنْ وَرَّآهُمْ جَهَنَّمُ﴾ اس کے پیچھے دوزخ ہے، یعنی جہنم اس معاند حق، جابر شخص کی گھات میں ہے وہ ضرور اس جہنم میں وارد ہوگا، تب اسے سخت عذاب کا مزہ چکھایا جائے گا۔ ﴿وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ﴾ اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا، جو اپنے رنگ ڈالتے اور بدبو میں خون اور پیپ جیسا ہوگا اور وہ انتہائی گرم ہوگا۔

﴿يَتَجَرَّعُهُ﴾ وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پئے گا، یعنی سخت پیاس کے مارے گھونٹ گھونٹ پئے گا ﴿وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ﴾ اور اس کو گلے سے نہیں اتار سکے گا، کیونکہ جب وہ اسے اپنے منہ کے قریب لے کر جائے گا تو وہ چہرے کو بھون کر رکھ دے گا اور جب یہ پانی پیٹ میں جائے گا تو جہاں سے گزرے گا انتڑیوں کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ ﴿وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِبَيِّنٍ﴾ اور اسے ہر جگہ سے موت آئے گی جب کہ وہ مرے گا نہیں، یعنی اس کو ہر قسم کا سخت عذاب دیا جائے گا اور اپنی شدت کے اعتبار سے عذاب کی ہر نوع موت کی مانند ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا کہ اسے موت نہ آئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ﴾ (فاطر: ۳۶، ۳۷، ۳۸) انہیں موت نہیں آئے گی کہ مر جائیں نہ ان پر عذاب ہی کو ہلکا کیا جائے گا ہم ہر بڑے کافر کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور وہ اس میں چلائیں گے۔ ﴿وَمَنْ وَرَّآهُمْ﴾ اور اس کے پیچھے، یعنی جبار معاند حق کے پیچھے ﴿عَذَابٌ عَلِيظٌ﴾ سخت عذاب ہوگا، یعنی نہایت قوی اور سخت عذاب جس کے وصف اور شدت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ

حال ان لوگوں (کے عملوں) کا جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کیساتھ (یہ ہوگا کہ) انکے اعمال مانند اس راکھ کے ہوں گے کہ سخت چلی اس (راکھ) پر ہوا،

فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝۱۸

آندھی والے روز نہیں قدرت رکھیں گے وہ ان اعمال میں سے جو انہوں نے کمائے اوپر کسی چیز کے (ان میں سے) یہی ہے گمراہی دور کی

اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کے اعمال کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے..... اور ان اعمال سے یا تو وہ اعمال مراد



ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر کئے ہیں۔ یہ اعمال بے فائدہ جانے، اپنے بطلان اور اپنے اضمحلال میں راکھ کی مانند ہیں جو سب سے گھٹیا اور سب سے ہلکی چیز ہے۔ سخت آندھی والے دن جب سخت ہوا چلتی ہے، تو اس راکھ میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہتا، اس راکھ کے اڑ جانے اور مضمحل ہونے سے روکنے کی قدرت کوئی نہیں رکھتا۔ اسی طرح کفار کے اعمال ہیں ﴿لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ﴾ ”جو وہ کام کرتے رہے ان پر وہ کچھ دسترس نہ رکھیں گے۔“ یعنی وہ اپنے اعمال میں سے ذرہ بھر عمل کے اجر کے حصول پر بھی قادر نہ ہوں گے کیونکہ یہ عمل کفر اور تکذیب پر مبنی ہے ﴿ذَلِكَ هُوَ الضَّلَلُ الْبَعِيدُ﴾ ”یہی ہے دور کی گمراہی“ کیونکہ ان کی کوشش رائیگاں گئی اور ان کا عمل باطل ہو گیا۔ یا ان اعمال سے مراد کفار کے وہ اعمال ہیں جن کے ذریعے سے وہ حق کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے وہ حق میں جرح اور قدح کیا کرتے تھے۔ ان کے مکر و فریب کا وبال انہی کی طرف لوٹ آئے گا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اس کے لشکر اور حق کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط اِنَّ يَنْشَاُ يَذْهَبُكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفَاۗءُ نَحْنُ ۝ اور نہیں ہے یہ (کام) اور پر اللہ کے کچھ بھی مشکل ۝ اور وہ سامنے (کھڑے) ہوں گے اللہ کے سب تو کہیں گے کمزور لوگ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَاَهْلُ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ط قَالُوْۤا لَوْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَهَدٰیۤنُكُمْ ط سَوَآءٌ عَلَيْنَا اَللّٰهُ كَا عَذَابٍ كَیْفَ؟ وہ کہیں گے، اگر ہدایت دیتا ہمیں اللہ تو البتہ ہم بھی ہدایت کرتے تمہیں برابر ہے ہم پر اَجْزَعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۙ

آیا جزع فزع کریں ہم یا صبر کریں ہم، نہیں ہے واسطے ہمارے کوئی بھاگنے کی جگہ ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ ”بے شک اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ“ یعنی تاکہ مخلوق اس کی عبادت کرے اور اس کی معرفت حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنے اوامر و نواہی جاری کرے اور مخلوق ان آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات کمال پر استدلال کرے اور ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہستی جس نے اتنے بڑے اور وسیع آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ تمام مخلوق کو نئے سرے سے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے تاکہ ان کی نیکی اور بدی پر ان کو جزا و سزا دے اور اس کی قدرت و مشیت ایسا کرنے سے قاصر نہیں ہے۔ بنا بریں

فرمایا: ﴿إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ ”اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے“ اس آیت کریمہ میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ اللہ تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے جو تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والی ہو اور یہ احتمال بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فنا کر دے اور پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے ایک نئی تخلیق عطا کرے۔ اس احتمال کے مطابق اس آیت سے قیامت کے احوال کا اثبات ہوتا ہے جن کا ذکر مابعد سطور میں آ رہا ہے۔ ﴿وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ﴾ ”اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں۔“ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے لئے مشکل نہیں بلکہ بہت آسان ہے ﴿مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ إِلَّا كُنُفً وَّاحِدَةً﴾ (لقمان: ۲۸/۳۱) ”تمہیں پیدا کرنا اور پھر دوبارہ جلا اٹھانا ایک شخص کو پیدا کرنے اور اس کو جلا اٹھانے کی مانند ہے۔“ ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ (الروم: ۲۷/۳۰) ”وہی تو ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر وہ اس کا اعادہ کرے گا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے زیادہ آسان ہے۔“

﴿وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا﴾ ”اور سب لوگ اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے۔“ یعنی قیامت کے روز جب صور پھونکا جائے گا تو تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگی، سب اپنی اپنی قبروں سے نکل کر اپنے رب کی خدمت میں جائیں گے۔ وہ ایک ہموار زمین میں کھڑے ہوں گے جس میں تو کوئی نشیب و فراز نہ دیکھے گا۔ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے اور اس سے ان کی کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔ پس جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہوں گے تو آپس میں جھگڑا کریں گے، ہر شخص اپنے آپ کی مدافعت کرے گا۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکیں گے ﴿فَقَالَ الصُّعْفُو﴾ ”پس کمزور کہیں گے“ یعنی پیروی کرنے والے اور مقلدین ﴿لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا﴾ ”برائی والوں کو“ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں پیروی کی جاتی تھی جو گمراہی کے میدان میں قیادت کرتے تھے ﴿إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا﴾ ”ہم تو تمہارے پیرو تھے۔“ یعنی دنیا میں ہم تمہاری پیروی کرتے تھے، تم ہمیں گمراہی کا حکم دیا کرتے تھے اور گمراہی کو ہمارے سامنے آراستہ کیا کرتے تھے پس تم نے ہمیں بدراہ کر دیا ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”کیا پس تم ہم کو بچاؤ گے اللہ کے کسی عذاب سے کچھ“ یعنی خواہ یہ عذاب سے بچانا ذرہ بھر ہی کیوں نہ ہو ﴿قَالُوا﴾ ”یعنی قائدین اور سردار کہیں گے جیسے ہم گمراہ تھے ویسے ہی ہم نے تمہیں گمراہ کر دیا۔ اور ﴿لَوْ هَدَّ سَنَا اللَّهُ لَهْدَيْنَاكُمْ﴾ ”اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کر دیتے“ پس کوئی کسی کے کام نہ آئے گا ﴿سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزْنَا﴾ ”اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری کریں“ عذاب کی وجہ سے۔ ﴿أَمْ صَبَرْنَا﴾ ”یا صبر کریں“ اس عذاب پر ﴿مَا لَنَا مِنْ مَّجِيسٍ﴾ ”ہمارے لئے کوئی خلاصی نہیں“ یعنی کوئی پناہ گاہ نہیں جہاں ہم پناہ لے سکیں اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں ہم اللہ کے عذاب سے بھاگ کر جا سکیں۔



وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ  
اور کہے گا شیطان، جب فیصلہ کر دیا جائے گا تمام معاملات کا بیشک اللہ نے وعدہ کیا تھا تم سے وعدہ سچا، اور میں نے وعدہ کیا تھا تم سے  
فَاخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۚ  
پس خلاف ورزی کی میں نے تم سے، اور نہیں تھا واسطے میرے تم پر کوئی غلبہ سوائے اسکے کہ میں نے بلایا تمہیں اور تم نے مان لی میری بات،  
فَلَا تُلْمُوْنِيْ وَلَوْ مَوَّآ اَنْفُسَكُمْ ۚ مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيْ ۚ اِنِّيْ  
سو نہ ملامت کرو تم مجھے اور ملامت کرو تم اپنے آپ کو نہیں ہوں میں تمہاری فریادری کر نیوالا، اور نہ تم ہی میری فریادری کر نیوالے ہو، بلاشبہ میں تو  
كُفِّرْتُ بَمَآ اَشْرَكْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ اِنَّ الظَّالِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ (۲۱) وَاَدْخَلَ  
انکار کرتا ہوں اسکا جو تم شریک ٹھہراتے تھے مجھے (اللہ کا) پہلے اس سے، بیشک ظالم لوگ ان کیلئے عذاب ہے بہت دردناک اور داخل کئے جائیں گے  
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنَّٰتٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا  
وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک، ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں  
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۙ (۲۲)

ساتھ حکم اپنے رب کے ان کی (ملاقات کی) دعاء ہوگی ان میں سلام ○

﴿وَقَالَ الشَّيْطٰنُ﴾ شیطان جو دنیا میں واقع ہونے والی ہر برائی کا سبب ہے جہنمیوں سے براءت کا اظہار  
کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہو کر کہے گا: ﴿لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ”جب فیصلہ ہو چکے گا سب امور کا“ اور جنتی  
جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جہنمی جہنم میں دھکیل دیے جائیں گے۔ ﴿اِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ﴾  
”جو وعدہ اللہ نے کیا تھا وہ تو سچ تھا“، یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان پر تمہارے ساتھ سچا وعدہ کیا تھا مگر تم نے  
اس کی اطاعت نہ کی، اگر تم نے اس کی اطاعت کی ہوتی تو تم فوز عظیم سے بہرہ ور ہوتے ﴿وَوَعَدْتُكُمْ﴾ ”اور  
میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا“ بھلائی کا ﴿فَاخْلَفْتُكُمْ﴾ ”پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی“، یعنی میں نے  
تمہیں جو جھوٹی آرزوئیں اور امیدیں دلائی تھیں وہ حاصل نہیں ہوئیں اور نہ کبھی حاصل ہوں گی۔ ﴿وَمَا كَانَ لِيْ  
عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ﴾ ”اور میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا“ میرے پاس کوئی دلیل اور اپنے قول کی کوئی تائید نہ تھی  
﴿اِلَّا اَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ﴾ ”مگر یہ کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میری بات مان لی“، یعنی میرے  
پاس زیادہ سے زیادہ جو اختیار تھا وہ یہ تھا کہ میں نے تمہیں اپنے مقصد کی طرف بلایا اور تمہارے سامنے اسے خوب  
آراستہ کیا، تم نے اپنی خواہشات نفس اور شہوات کی پیروی کرتے ہوئے میری دعوت پر لبیک کہا۔

جب صورت حال یہ ہے ﴿فَلَا تُلْمُوْنِيْ وَلَوْ مَوَّآ اَنْفُسَكُمْ﴾ ”تو تم مجھے ملامت نہ کرو“ اپنے آپ کو  
ملامت کرو، پس موجب عذاب میں تم ہی پر دار و مدار ہے اور تم ہی اس عذاب کا سبب ہو۔ ﴿مَا اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ﴾

”میں تمہاری فریاد کو نہیں پہنچ سکتا“، یعنی جس شدت عذاب میں تم مبتلا ہو میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ ﴿وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِحِي﴾ اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو، ہر ایک کے لئے اپنے اپنے حصے کا عذاب ہے ﴿إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ﴾ ”میں منکر ہوں جو تم نے مجھے شریک بنایا تھا اس سے پہلے“، یعنی تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا تھا میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہ تھا اور تم پر میری اطاعت واجب نہ تھی پس میں تم سے بری الذمہ ہوں ﴿إِنَّ الظَّالِمِينَ﴾ بے شک شیطان کی اطاعت کر کے اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ﴿لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“ وہ اس عذاب میں ابد الابد تک رہیں گے۔ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ اس نے انہیں شیطان کی اطاعت سے ڈرایا ہے، اس نے شیطان کے مقاصد اور ان راستوں کی نشاندہی کر دی ہے جہاں سے وہ داخل ہو کر انسان کو گمراہ کرتا ہے، اس کا مقصد صرف انسان کو جہنم کی آگ میں جھونکنا ہے۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ جب شیطان اپنے لشکر سمیت جہنم میں داخل ہوگا تو وہ اپنے متبعین سے بری الذمہ ہو جائے گا اور ان کے شرک سے صاف انکار کر دے گا۔ ﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَمِيرٍ﴾ (فاطر: ۱۴/۳۵) ”اور اللہ باخبر کی مانند تمہیں کوئی خبر نہیں دے سکتا۔“

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان کے پاس کوئی اختیار نہیں اور ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ﴾ (النحل: ۱۰۰/۱۶) ”شیطان کا زور تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اسے اپنا والی اور سرپرست بناتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔“ پس وہ ”زور“ اور ”سلط“ جس کی اللہ تعالیٰ نے نفی کی ہے اس سے مراد حجت اور دلیل ہے، شیطان جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہے اس پر درحقیقت اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتا ہے کہ ان کو شبہات میں مبتلا کرے، گناہوں کو ان کے سامنے مزین اور آراستہ کرے، جن سے متاثر ہو کر وہ گناہوں کے ارتکاب کی جسارت کر لیں۔ رہا وہ ”زور“ جس کا اللہ تعالیٰ نے اثبات کیا ہے تو اس سے مراد وہ تسلط ہے جس کے بل پر وہ اپنے دوستوں کو گناہوں پر آمادہ کرتا ہے اور ان کو نافرمانیوں پر ابھارتا ہے۔ بندے شیطان سے موالات پیدا کر کے اور اس کے گروہ میں شامل ہو کر اس کو اپنے آپ پر مسلط کر لیتے ہیں۔ اس لئے شیطان کا ان لوگوں پر کوئی زور نہیں چلتا جو ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو دیئے جانے والے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد اطاعت کرنے والوں کے لئے ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَأَدْخِلْ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور داخل کئے گئے وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک“، یعنی وہ لوگ جنہوں نے قول و فعل اور اعتقاد کے ساتھ دین کو قائم کیا ﴿جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”ایسے باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں“ ان جنتوں میں ایسی لذات و شہوات



Free downloading facility of Videos, Audios & Books for DAWAH purpose only, From Islamic Research Centre Rawalpindi

ذریعے سے قریب لایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے معنی مراد کی غایت حد تک تمہیں اور توضیح ہوتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا حسن تعلیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے پوری، کامل اور بے پایاں حمد و ثناء ہے۔ پس یہ بندہ مومن کے قلب میں کلمہ توحید کا وصف اور اس کے ثبات کا بیان ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے کلمہ توحید کی ضد کلمہ کفر اور اس کی شاخوں کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ﴾ اور گندی بات کی مثال جیسے گندادرخت ہے، جو کھانے اور ڈالنے میں بدترین درخت ہے اور اس سے مراد اندر آئن وغیرہ کا پودا ہے ﴿اِحْتَنَّتْ﴾ یعنی اس پودے کو اکھاڑ لیا گیا ﴿مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ﴾ مآلہا من قرائے ”زمین کے اوپر سے“ اس کو کوئی ٹھہراؤ نہیں، یعنی اس پودے کو ثبات حاصل نہیں اس پودے کی رگیں نہیں ہیں جو اس کو سہارا دے کر کھڑا کر سکیں اور نہ یہ کوئی اچھا پھل لاتا ہے بلکہ اس میں پھل پایا بھی جاتا ہے تو انتہائی بد ذائقہ۔

اسی طرح کفر اور گناہ کی بات قلب میں کوئی فائدہ مند مضبوطی اور ثبات پیدا نہیں کرتی، اس کا ثمرہ بھی قول خبیث اور عمل خبیث کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اس کو تکلیف دیتا ہے۔ اس بندے کی طرف سے کوئی عمل صالح اللہ تعالیٰ کی طرف بلند نہیں ہوتا۔ اس قول و عمل سے وہ خود مستفیع ہوتا ہے نہ کوئی اور۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ  
ثابت قدم رکھتا ہے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے، ساتھ قول ثابت (کلمہ توحید) کے زندگانی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،

وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۖ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿٢٥﴾  
اور گمراہ کرتا ہے اللہ ظالموں کو، اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو ثابت قدمی عطا کرتا ہے جو کامل طور پر قلبی ایمان کو قائم کرتے ہیں۔ جو اعمال جو ارح کو مستلزم ہے یہ اعمال اس ایمان کا ثمرہ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیا کے اندر شبہات کے وارد ہونے کے وقت ہدایت اور یقین کے ذریعے سے ثبات اور استقامت عطا کرتا ہے اور جب شہوات پیش آتی ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں قطعی اور پختہ ارادہ عطا کرتا ہے تب وہ خواہش نفس اور اس کی مراد پر اس امر کو مقدم رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ آخرت میں موت کے وقت دین اسلام اور خاتمہ بالخیر پر ثبات قدمی عطا کرتا ہے اور قبر میں منکر تکبر کے سوالات کے وقت صحیح جواب کی توفیق عطا کر کے ثبات اور مضبوطی سے نوازتا ہے۔ جب میت سے پوچھا جاتا ہے ”تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟“ تو اللہ تعالیٰ صحیح جواب کی طرف اس کی راہ نمائی کرتا ہے اور مومن جواب دیتا ہے ”میرا رب اللہ ہے“ میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں۔“ ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔“ یعنی دنیا و آخرت



میں راہ صواب سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ یہ آیت کریمہ قبر کے امتحان، قبر کے عذاب اور اس کی نعمت اور آرام پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ قبر کے امتحان، اس کی صفت و کیفیت، قبر کے عذاب اور اس کے آرام کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے نہایت تواتر کے ساتھ نصوص وارد ہوئی ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَآحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۖ جَهَنَّمَ ۚ  
کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جنہوں نے بدل ڈالا اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے، اور جا اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی جہنم میں،  
يَصْلُونَهَا ۖ وَيَبْسُ الْقَرَارُ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَدَاً لِّيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۖ  
وہ داخل ہو گئے اس میں، اور بہت ہی برا ہے وہ ٹھکانا اور بنائے انہوں نے واسطے اللہ کے شریک، تاکہ وہ گمراہ کریں (لوگوں کو) اسکے راستے سے،

قُلْ تَسْعُوا فَإِنْ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ ۖ

کہہ دیجئے تم فائدہ اٹھاؤ (دنیا میں) پھر بلاشبہ واپسی تمہاری ہے طرف آگ کی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے کفار قریش کا اور ان کے معاملات کا مآل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا﴾ ”کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا“ یہاں اللہ تعالیٰ کی نعمت سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت ہے۔ آپ انہیں دنیا و آخرت میں نیکیوں کے ادراک کی طرف دعوت دیتے تھے مگر انہوں نے اس نعمت کو ٹھکرا کر اس کا انکار کر کے اور اپنے آپ کو اس نعمت کو قبول کرنے سے باز رکھ کر اس نعمت کو بدل ڈالا۔ ﴿و﴾ اور دوسروں کو اس نعمت کو قبول کرنے سے روکا حتیٰ کہ ﴿آحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ ”اتارا انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں“ اس سے مراد جہنم ہے کیونکہ وہ ان کی گمراہی کا سبب بنے اور اپنی قوم کے لئے وبال بن گئے جبکہ ان سے نفع کی امید تھی۔ منجملہ اس کے یہ بھی ہے کہ غزوہ بدر کے لئے ان کو نکلنے پر آمادہ کرنے کے لئے جنگ پر نکلنے کے بڑے فوائد بیان کئے۔ تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کریں۔ پس ان کے ساتھ عبرت ناک سلوک ہوا اور جنگ بدر میں ان کے بہت سے بڑے بڑے سردار اور بہادر مارے گئے۔

﴿جَهَنَّمَ يَصْلُونَهَا﴾ ”جہنم داخل ہوں گے وہ اس میں“ یعنی جہنم کی حرارت انہیں ہر جانب سے گھیر لے گی ﴿وَيَبْسُ الْقَرَارُ﴾ ”اور (جہنم) بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔“

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَدَاً﴾ ”اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے لئے مقابل“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہمسر اور شریک ﴿لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ﴾ ”تاکہ اس کے راستے سے گمراہ کریں۔“ یعنی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہمسر بنا کر اور ان کی عبادت کی طرف دعوت دے کر بندوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا سکیں ﴿قُلْ﴾ ان کو وعید سناتے ہوئے کہہ

دیتے ﴿تَسْعَوْا﴾ اپنے کفر اور گمراہی سے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لو۔ پس یہ تمہیں کوئی فائدہ نہ دیں گے ﴿فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ﴾ ”اس لیے کہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے“ اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

قُلْ لِّلْعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا کہہ دیجئے میرے ان بندوں کو جو ایمان لائے، کہ وہ قائم کریں نماز اور خرچ کریں اس میں سے جو رزق دیا ہم نے انہیں پوشیدہ وَعَلٰی نَبِیِّہٖ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَاْ بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلْلٌ ﴿۳۱﴾ اور ظاہر، پہلے اس سے کہ آئے وہ دن کہ نہ خرید و فروخت ہوگی اس میں اور نہ دوستی (ہی کام آئے گی) ○

﴿قُلْ لِّلْعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ”میرے مومن بندوں سے کہہ دو۔“ یعنی انہیں ان امور کا حکم دیجئے جن میں ان کی اصلاح ہے اور انہیں یہ بھی حکم دیا کہ اس سے قبل کہ ان کی اصلاح ممکن نہ ہو وہ فرصت کو غنیمت جانیں۔ ﴿یُقِیْمُوْا الصَّلٰوةَ﴾ وہ ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ نماز قائم کریں ﴿وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ﴾ ”اور ہم نے جو انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کریں۔“ یعنی ہم نے انہیں کم یا زیادہ جو بھی نعمتیں عطا کی ہیں ان میں سے خرچ کریں ﴿سِرًّا وَعَلٰی نَبِیِّہٖ﴾ ”چھپے اور ظاہر“ یہ حکم نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ اور نفقات کفالت اور نفقات مستحبہ مثلاً عام صدقات وغیرہ کو شامل ہے۔ ﴿مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَاْ بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلْلٌ﴾ ”پہلے اس کے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ کوئی سودا ہوگا نہ دوستی“ یعنی اس دن کوئی چیز فائدہ نہ دے گی اور جو چیز فوٹ ہوگئی ہوگی تو کسی خرید و فروخت کے معاوضے کسی ہبہ اور کسی دوست یار کے ذریعے سے اس کا تدارک ممکن نہیں ہوگا۔ پس ہر شخص کا اپنا اپنا معاملہ ہوگا جو اس کو دوسروں سے بے نیاز کر دے گا۔ اس لیے ہر شخص کو اپنے لئے کچھ بھیجنا چاہیے اور خوب اچھی طرح غور کر لے کہ وہ کل کے لئے کیا آگے بھیج رہا ہے؟ وہ اپنے اعمال پر نظر ڈالے اور بڑے حساب کتاب سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کر لے۔

اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنْ

اللہ ہی ہے وہ ذات جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین، اور نازل کیا آسمان سے پانی، پھر اس نے نکالے (پیدا کئے) اس (پانی) کے ذریعے سے

الشَّجَرِ رِزْقًا لَّکُمْ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ وَسَخَّرَ لَکُمُ

پھل روزی تمہارے لئے اور تابع کر دیا واسطے تمہارے کشتیوں کو تاکہ چلیں وہ سمندر میں اس (اللہ) کے حکم سے، اور تابع کر دیا تمہارے لئے

الْاَنْہٰرِ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآیِبَیْنَ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ وَالنَّہَارَ ﴿۳۳﴾

نہروں کو ○ اور تابع کر دیا واسطے تمہارے سورج اور چاند کو دراختیا لیکہ وہ دونوں برابر چل رہے ہیں، اور مطیع کر دیا واسطے تمہارے رات اور دن کو ○

وَاَشْکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْہُ ط وَاِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْہَا ط

اور اس نے دی تمہیں ہر وہ چیز کہ سوال کیا تم نے اس کا، اور اگر تم شمار کرو نعمتیں اللہ کی تو نہ گن سکو گے تم انہیں،



## إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝

بے شک انسان البتہ بڑا ظالم نہایت ناشکرا ہے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اکیلا ہی ہے ﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ ”جس نے آسمانوں اور زمین کو (ان کی وسعتوں کے ساتھ) پیدا کیا“ ﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ ”اور اتارا آسمان سے پانی“ اس سے مراد وہ بارش ہے جسے اللہ تعالیٰ بادلوں سے برساتا ہے ﴿فَأَخْرَجَ بِهِ﴾ ”پس اس کے ذریعے سے نکالے۔“ یعنی اس پانی کے ذریعے سے ﴿مِنَ الشَّجَرِ﴾ مختلف انواع کے پھل ﴿وَرَزَقًا لَّكُمْ﴾ تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے رزق ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ﴾ ”اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے کشتیوں کو“ یعنی جہاز اور کشتیاں ﴿لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ﴾ ”کہ چلیں وہ سمندر میں اس کے حکم سے“ وہی ہے جس نے جہازوں اور کشتیوں کی صنعت کو تمہارے لئے آسان بنا کر تمہیں ان پر قدرت عطا کی۔ پانی کی موجوں پر ان کی حفاظت کی۔ تاکہ تمہیں اور تمہارے تجارتی مال و اسباب کو اس شہر تک اٹھالے جائے جہاں کا تم قصدر کھتے ہو۔

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ﴾ ”اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے نہروں کو“ تاکہ تم اپنے کھیتوں اور باغات کو سیراب کرو اور خود بھی ان کا پانی پیو۔ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآبِّينَ﴾ ”اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر“ ان کی رفتار میں نرمی آتی ہے نہ وہ ست پڑتے ہیں بلکہ تمہارے مصالح یعنی زمان و اوقات کے حساب تمہارے ابدان تمہارے مویشی و حیوانات کھیتوں اور باغات کے فائدے کے لئے رواں دواں رہتے ہیں۔ ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ﴾ ”اور کام میں لگا دیا تمہارے لئے رات کو“ تاکہ تم آرام کر سکو۔ ﴿وَالنَّهَارَ﴾ ”اور دن کو“ تمہارے دیکھنے کے لئے تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ ﴿وَأَتَّكُم مِّن كُلِّ مَآ سَأَلْتُمُوهُ﴾ ”اور دیتا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگا“ یعنی اس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا کی جس کے ساتھ تمہاری آرزوئیں اور ضرورتیں وابستہ ہیں جو تم اپنی زبان حال یا زبان قال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہو۔ مثلاً مال مویشی مختلف اقسام کے آلات و صناعات وغیرہ۔ ﴿وَأَن تَعْبُدُوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا﴾ ”اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو تم شمار نہ کر سکو“ یعنی تمہارا ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا تو کجا تم ان کو شمار بھی نہیں کر سکتے ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ ”یقیناً انسان نہایت نادان بہت بے شکرا ہے“ یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کیونکہ وہ نہایت ظالم معاصی کے ارتکاب کی جسارت کرنے والا اپنے رب کے حقوق کے بارے میں کوتاہی کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور اس کا شکروہی ادا کر سکتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ راہ نمائی کرے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے اپنے رب کے حق کو پہچانتا ہے اور اسے قائم کرتا ہے۔

پس ان آیات کریمہ میں بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت سی اصناف مجمل اور مفصل طور پر بیان ہوئی ہیں..... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس کا ذکر اور اس کا شکر ادا کریں اور وہ ان کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ دن رات اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے اور اس سے دعا مانگتے رہیں جیسے ہر وقت بتکرار ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا فیضان رہتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ أَمْنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ  
 (اور یاد کرو!) جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب! تو بنادے اس شہر (مکہ) کو امن والا اور دور رکھ مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم عبادت کریں  
 الْأَصْنَامَ ۚ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ  
 بتوں کی ○ اے میرے رب! بلاشبہ انہوں نے گمراہ کئے ہیں بہت سے لوگ، پس جس شخص نے پیروی کی میری تو بیشک وہ میرا ہے  
 وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۳۶ رَبَّنَا إِنِّي أَكُنْتُ مِنَ الذَّالِّينَ ۝۳۷  
 اور جس نے نافرمانی کی میری، سو تو بڑا بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے ○ اے ہمارے رب! بیشک میں نے بسائی ہے اپنی کچھ اولاد ایک ایسی وادی میں جو نہیں ہے  
 ذِي ذُرِّيٍّ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ  
 کھیتی والی نزدیک تیرے حرمت والے گھر (مکہ) کے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ قائم کریں نماز پس کر دے تو دل کچھ  
 النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّרِّ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝۳۸ رَبَّنَا إِنَّكَ  
 لوگوں کے کہ مائل ہوں انکی طرف اور تو رزق دے انہیں پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں ○ اے رب ہمارے! بے شک تو  
 تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۚ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا  
 جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں، اور نہیں چھپتی اوپر اللہ کے کوئی بھی چیز زمین میں اور نہ  
 فِي السَّمَاءِ ۝۳۹ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْعِيلَ وَاسْحَقَ ۚ إِنَّ  
 آسمان میں ○ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں وہ جس نے عطا کئے مجھے باوجود بڑھاپے کے اسماعیل اور اسحق، بے شک  
 رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝۴۰ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۚ رَبَّنَا  
 میرا رب البتہ خوب سننے والا ہے دعا کا ○ اے میرے رب! بنادے مجھے قائم رکھنے والا نماز کو اور میری اولاد میں سے بھی، اے ہمارے رب!  
 وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝۴۱ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝۴۲  
 اور تو قبول فرما میری دعا ○ اے ہمارے رب! تو بخش دے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور (سب) مومنوں کو جس دن قائم ہوگا حساب ○

﴿و﴾ ”اور“ یعنی اس حالت جمیلہ میں ابراہیم علیہ السلام کو یاد کیجئے ﴿إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ﴾  
 ”جب ابراہیم نے کہا“ اے رب! بنادے اس شہر کو، یعنی حرم مبارک کو ﴿أَمْنًا﴾ ”امن والا“ پس اللہ تعالیٰ نے  
 شرعاً اور قدراً آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کی حرمت کے اسباب میسر فرمائے جو کہ ہمیں معلوم ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی



عالم حرم میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا قلع قمع کر دیتا ہے جیسے اصحاب فیل کے ساتھ کیا تھا..... ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لئے اپنے بیٹوں کے لئے اور اس ارض محترم کے لئے امن کی دعا کی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَأَجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ﴾ ”اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ“، یعنی ان کے قریب جانے سے بچا۔ پھر آپ نے اپنے اور اپنی اولاد کے بارے میں ان خدشات کا ذکر فرمایا جو انہیں اکثر لوگوں کے ان بتوں کی عبادت کے فتنے میں مبتلا ہونے کی وجہ سے لاحق ہوئے اس لئے انہوں نے بارگاہ الہی میں عرض کیا: ﴿رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ﴾ ”اے پروردگار! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔“ یعنی ان کے سبب سے بہت سے لوگ گمراہ ہوئے۔ ﴿فَمَنْ تَبِعْنِي﴾ ”پس جس نے میری اتباع کی“، یعنی توحید الہی اور اخلاص اللہ میں جس نے میری پیروی کی۔ ﴿فَأِنَّهُ مِنِّي﴾ ”تو وہ میرا ہے۔“ یعنی کامل موافقت کی وجہ سے وہ مجھ سے ہے جو کوئی جس قوم سے محبت کرتا ہے اور اس کی پیروی کرتا ہے وہ اسی قوم سے ملحق شمار ہوتا ہے۔ ﴿وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بہت بخشنے والا مہربان ہے“ یہ حضرت خلیل علیہ السلام کی شفقت ہے کہ انہوں نے گناہ گاروں کے لئے بخشش اور رحمت کی دعا کی اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ صرف اسے عذاب دے گا جو سرکشی اختیار کرتا ہے۔

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي ذَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ﴾ ”اے رب! میں نے بسایا ہے اپنی ایک اولاد کو ایسے میدان میں جہاں کھیتی نہیں تیرے محترم گھر کے پاس“، یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہما السلام کو شام سے لا کر مکہ مکرمہ کی سرزمین میں بسایا تھا اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے۔ اس وقت یہ وادی بالکل سنان تھی اور اس میں کوئی آبادی نہ تھی۔ جب آپ نے ماں بیٹے کو اس وادی میں آباد کر دیا تو اس وقت یہ دعا مانگی: ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ یعنی میں نے اپنی تمام اولاد کو نہیں بلکہ اپنی کچھ اولاد کو یہاں لا بسایا ہے۔ کیونکہ حضرت اسحاق علیہ السلام شام میں تھے اسی طرح ان کے دیگر بیٹے بھی شام میں آباد تھے۔ وادی مکہ میں انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کو آباد کیا۔

﴿بِوَادٍ غَيْرِ ذِي ذَرْعٍ﴾ ”ایسی وادی میں جہاں کھیتی نہیں“ کیونکہ ارض مکہ بے آب و گیاہ تھی ﴿رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ”اے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں“، یعنی ان کو موحد اور نماز قائم کرنے والے بنا کیونکہ نماز سب سے زیادہ خصوصیت کی حامل اور سب سے افضل عبادت ہے اور جس نے نماز کو قائم کر لیا وہ دین کو قائم کرنے والا ہو گیا۔ ﴿فَلَجَعَلْ أَفْهَدًا مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ﴾ ”پس کر دے کچھ لوگوں کے دل کہ مائل ہوں ان کی طرف“، یعنی لوگ ان سے محبت کریں اور اس جگہ سے محبت کریں جہاں یہ آباد ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا

ہوئے، آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو دین اسلام اور ملت ابراہیم کی طرف دعوت دی انہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور نماز قائم کرنے والے بن گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی زیارت کو فرض قرار دیا جس کے پاس ابراہیم علیہ السلام کی اولاد آباد تھی اور اس میں ایک ایسا بھید پنہاں رکھا جو دلوں کے لئے کشش رکھتا ہے، دل اس گھر کی زیارت کا قصد کرتے ہیں اور اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتے بلکہ بندہ مومن جس قدر زیادہ اس گھر کی زیارت کرتا ہے اس کی آتش شوق اسی قدر زیادہ بھڑکتی ہے اور اس کا سر نہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف مضاف کیا ہے۔ ﴿وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الشَّرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾ اور ان کو روزی دے پھلوں سے شاید وہ شکر کریں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ہر قسم کا پھل اس ارض پاک میں پہنچنے لگا۔ آپ دیکھیں گے کہ مکہ مشرفہ میں ہر وقت ہر قسم کا پھل بافراط ملتا ہے اور رزق ہر طرف سے مکہ مکرمہ کی طرف کھینچا چلا آتا ہے۔

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نَعْلَمُ﴾ اے ہمارے رب! تو جانتا ہے جو ہم چھپا کر کرتے ہیں اور جو دکھا کر کرتے ہیں، یعنی تو ہم کو ہم سے زیادہ جانتا ہے، پس ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اپنی تدبیر اور تربیت سے ہمارے لئے ان کاموں کو آسان فرما دے جن کو ہم جانتے ہیں اور ان کو بھی جن کو ہم نہیں جانتے، جو تیرے علم اور تیری رحمت کا تقاضا ہے۔ ﴿وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ اور اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمان میں، اور اس میں یہ دعا بھی شامل ہے جس میں حضرت خلیل علیہ السلام کا ارادہ بھلائی اور اللہ رب العالمین کے لئے کثرتِ شکر کے سوا کچھ نہ تھا۔ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ﴾ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمعیل اور اسحق عطا کئے، اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے اور بڑھاپے میں مایوسی کی حالت میں اولاد کا عطا ہونا ایک دوسری نعمت ہے۔ پھر ان سب کا صالح انسان اور نبی ہونا جلیل ترین اور افضل ترین مرتبہ ہے۔ ﴿إِنْ رَّبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾ میرا رب دعا کا سننے والا ہے، یعنی جو کوئی اس سے دعا مانگتا ہے وہ قبولیت کے قریب ہوتی ہے۔ میں نے بھی اس کے سامنے دست دعا دراز کیا اور اس نے مجھے ناامید نہیں کیا۔ پھر خلیل علیہ السلام نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے ان الفاظ میں دعا مانگی ﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا اور میری دعا قبول فرما، اے ہمارے رب! بخش مجھ کو میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن قائم ہو حساب، اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہر دعا قبول فرمائی، سوائے ان کے باپ کے لئے مغفرت کی دعا کے جو انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ ایک وعدے کی بنا پر مانگی تھی اور جب آپ پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن



ہے تو آپ نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ

اور نہ گمان کریں آپ اللہ کو بے خبر اس سے جو عمل کرتے ہیں ظالم، یقیناً وہ مہلت دیتا ہے اس دن تک کہ

تَشْخَصَ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿۱۲﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

پچھی کی پچھی رہ جائیں گی اس میں آنکھیں ۱۲ دوڑ رہے ہوں گے وہ (محشر کی طرف) اٹھائے اپنے سروں کو نہیں لوٹے گی

إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿۱۳﴾

(خود) ان کی طرف ان کی نگاہ اور ان کے دل (عقل و شعور سے) خالی ہوں گے ۱۳

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ظالموں کے لئے سخت وعید اور مظلوموں کے لئے تسلی ہے فرمایا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ

غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور ہرگز مت خیال کریں کہ اللہ ان کاموں سے بے خبر ہے جو ظالم کرتے

ہیں“ اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دی ہے اور ان کو نہایت فراوانی سے رزق عطا کیا اور ان کو چھوڑ دیا کہ وہ نہایت

اطمینان اور امن کے ساتھ چلیں پھریں۔ پس یہ مہلت اور رزق کی فراوانی ان کے حسن حال پر دلالت نہیں کرتی،

کیونکہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے تاکہ اس کے گناہوں میں اضافہ ہو جائے یہاں تک کہ جب وہ اسے پکڑ لیتا

ہے تو پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرْآنَ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ إِنَّ أَخْذًا أَلِيمٌ

شَدِيدٌ﴾ (ہود: ۱۱/۱۰) ”اور اسی طرح ہوتی ہے تیرے رب کی پکڑ جب وہ کسی بستی کو اس کے ظلم کے سبب

سے پکڑتا ہے بے شک اس کی پکڑ بڑی سخت اور المناک ہوتی ہے“۔ یہاں ظلم سے مراد وہ ظلم بھی ہے جو بندے

اور اس کے رب کے مابین ہے اور وہ ظلم بھی ہے جو بندہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر روا کرتا ہے۔

﴿إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾ ”ان کو تو اس دن کے لئے ڈھیل دے رکھی ہے کہ کھلی رہ

جائیں گی اس میں آنکھیں“ یعنی ہول اور دہشت کی وجہ سے آنکھیں ادھر ادھر دیکھ نہیں سکیں گی، کھلی کی کھلی رہ

جائیں گی۔ ﴿مُهْطِعِينَ﴾ ”دوڑتے ہوں گے“ جب پکارنے والا انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور حساب دینے کے لئے

پکارے گا تو وہ جلدی سے اس پکار پر لبیک کہیں گے وہ اس سے بچ نہ سکیں گے ان کا کوئی ٹھکانا ہوگا نہ کوئی پناہ گاہ

﴿مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ﴾ ”اوپر اٹھائے اپنے سر“ یعنی اپنے سروں کو اس طرح اٹھائے ہوئے ہوں گے کہ ان کے

ہاتھ ان کی ٹھوڑیوں کے ساتھ بندھے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے سر اوپر کو اٹھ جائیں گے۔ ﴿لَا يَرْتَدُّ

إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾ ”ان کی طرف ان کی آنکھیں پھر نہ کریں آئیں گی اور ان کے دل اڑ گئے ہوں

گے“ ان کے دل خالی ہوں گے اور حلق تک آجائیں گے مگر وہ ہر قسم کے غم و ہموں اور حزن و قلق سے لبریز ہوں گے۔

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا آخِرْنَا

اور آپ ڈرائیں لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا (اس دن) ان پر عذاب پس کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا تھا، اے ہمارے رب! مہلت دے ہمیں

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ نَّجِبْ دَعْوَتِكَ وَتَتَّبِعِ الرَّسُلَ ۖ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَبْتُمْ

تھوڑی سی مدت تک، ہم قبول کر لیں گے تیری دعوت اور پیروی کریں گے رسولوں کی، (تو کہا جائے گا) کیا نہیں تھے تم کہ قسمیں کھاتے تھے

مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۚ وَسَكَنتُمْ فِي مَسْكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ

پہلے اس سے کہ نہیں ہے تمہارے لئے کوئی زوال اور آ باد تھے تم گھروں میں انہی لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا تھا اپنی جانوں پر،

وَتَبَيَّنَ لَكُم كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآمِثَالَ ۚ وَقَدْ مَكَرُوا

اور واضح ہو گیا تھا واسطے تمہارے کہ کیا (سلوک) کیا ہم نے ساتھ لگے؟ اور بیان کی تھیں ہم نے تمہارے لئے مثالیں اور تحقیق مکر کئے تھے جنہوں نے

مَكَرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۚ

اپنے مکر اور اللہ کے پاس ہیں ان کے مکر، اور نہ تھے مکر ان کے کہ ٹل جاتے بوجہ ان (مکروں) کے پہاڑ

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ﴾ یعنی ان

کے سامنے اس دن کے احوال کا وصف بیان کیجئے اور انہیں برے اعمال سے ڈرائیے جو اس عذاب کے موجب

ہیں جو انہیں شدا میں آ پکڑے گا۔ ﴿فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ ”تب ظالم لوگ کہیں گے“ یعنی جنہوں نے

کفر، تکذیب اور دیگر معاصی کے ذریعے سے ظلم کیا وہ اپنے کرتوتوں پر نادم ہو کر واپس دنیا میں لوٹائے جانے کی

درخواست کریں گے مگر یہ واپس لوٹنے کا وقت نہ ہوگا۔ ﴿رَبَّنَا آخِرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ﴾ ”اے ہمارے رب!

مہلت دے ہم کو تھوڑی دیر تک“، یعنی ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے ہم پر ہر بات واضح ہو چکی ہے ﴿نَجِبْ

دَعْوَتِكَ﴾ ”کہ ہم قبول کر لیں تیری دعوت کو“ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے ﴿وَتَتَّبِعِ

الرَّسُلَ﴾ ”اور پیروی کر لیں ہم رسولوں کی“ ان کی یہ تمام آہ و زاریاں دردناک عذاب سے گلو خلاصی کے لئے

ہوں گی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس وعدے میں بھی جھوٹے ہیں۔ ﴿وَلَوْ رَدُّوْا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ﴾

(الانعام: ۲۸/۶) ”اگر انہیں واپس بھیج بھی دیا جائے تو یہ وہی کام دوبارہ کریں گے جن سے ان کو روکا گیا ہے۔“

اس لئے ان کو سخت زجر و توبیخ کی جائے گی اور کہا جائے گا ﴿أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَبْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ

زَوَالٍ﴾ ”کیا تم پہلے قسمیں نہ کھاتے تھے کہ تم کو دنیا سے نہیں ملنا“، یعنی اس دنیا سے منتقل ہو کر آخرت میں نہیں جاؤ

گئے یہ تو اب تم پر واضح ہو گیا کہ تم اپنی قسم میں سخت جھوٹے تھے اور جو تم دعوے کیا کرتے تھے وہ تمہارے سب

دعوے بھی جھوٹ تھے۔

﴿و﴾ تمہارے اعمال کی کوتاہی کی وجہ یہ نہ تھی کہ تمہارے پاس واضح دلائل نہ آئے تھے۔ بلکہ ﴿سَكَنتُمْ فِي﴾



مَسْكِينِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ ﴿۱﴾ ”تم ان بستیوں میں آباد تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تم پر واضح ہو گیا تھا کہ کیسا کیا ہم نے ان کے ساتھ“ ان کو مختلف انواع کی سزائیں دے کر اور جب انہوں نے واضح دلائل کی تکذیب کی تو کیسے ہم نے ان پر عذاب نازل کیا؟ ہم نے تمہارے سامنے واضح مثالیں بیان کر دی ہیں جو دل میں شک کا ادنیٰ ساشائہ بھی نہیں رہنے دیتیں۔ پس ان آیات بینات نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ اس کے برعکس تم نے روگردانی کی اور اپنے باطل پر جمے رہے حتیٰ کہ تم پر یہ روز بد آ گیا جس میں تمہاری جھوٹی معذرت خواہی کوئی فائدہ نہ دے گی۔

﴿وَقَدْ مَكَرُوا﴾ ”اور چال چلی“ یعنی انبیاء و مرسلین کو جھٹلانے والوں نے ﴿مَكَرَهُمْ﴾ ”اپنی چال“ ایسی ایسی چالیں چلیں جن کا انہوں نے ارادہ کیا اور جو وہ چل سکتے تھے۔ ﴿وَعِنْدَ اللَّهِ مَكَرُهُمْ﴾ ”اور اللہ کے ہاں ہے ان کی چال“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم اور اپنی قدرت کے ذریعے سے ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ان کی چالیں لوٹ کر انہی کے خلاف گئیں۔ ﴿وَلَا يَحِثُّ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ (فاطر: ۴۳/۳۵) ”اور بری چالوں کا وبال انہی لوگوں پر پڑتا ہے جو چالیں چلتے ہیں۔“ ﴿وَإِنْ كَانَ مَكَرُهُمْ لِتَرَوُلَ مِنْهُ الْجِبَالُ﴾ ”اگر چہ ان کی چال ایسی تھی کہ ٹل جائیں اس سے پہاڑ“ یعنی انبیاء و رسل اور وحی کو جھٹلانے والوں کی چالیں اور سازشیں اتنی بڑی ہیں کہ ان کے سبب سے بڑے بڑے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ یعنی ﴿وَمَكَرُوا مَكْرًا كَبِيرًا﴾ (نوح: ۲۲/۷۱) ”انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں“ ان کی سازشیں اتنی بڑی تھیں کہ ان کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سازشیں انہی پر الٹ دیں۔

اس آیت کریمہ کی وعید میں ہر وہ شخص شامل ہے جو باطل کی نصرت اور حق کے ابطال کے لئے انبیاء و رسل کے خلاف سازشیں کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کی چالیں ان کے کسی کام نہ آئیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچا سکے بلکہ انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿۲۸﴾  
پس نہ گمان کریں آپ اللہ کو خلاف کر نیوالا اپنے وعدے کا، اپنے رسولوں سے، بیشک اللہ غالب ہے، انتقام لینے والا ۰ جس دن  
تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۲۹﴾  
کہ بدل دی جائیگی یہ زمین اور زمین سے اور آسمان بھی، اور سامنے ہوں گے وہ لوگ اللہ کے، (جو) ایک ہے بڑا زبردست ۰  
وَتَرَى الْمَجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۳۰﴾ سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطَرِ  
اور آپ دیکھیں گے مجرموں کو اس دن جکڑے ہوئے ہوں گے وہ زنجیروں میں ۰ قمیصیں ان کی ہوں گی گندھک کی  
وَتَغْشَىٰ وَجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿۳۱﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۖ إِنَّ  
اور ڈھانکتی ہوگی ان کے چہروں کو آگ ۰ تاکہ بدلہ دے اللہ ہر نفس کو اس عمل کا جو اس نے کمایا، بے شک

اللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ هَذَا بَلَّغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا

اللہ بہت ہی جلد حساب لینے والا ہے ۝ یہ (قرآن) پیام ہے لوگوں کیلئے اور تاکہ وہ (لوگ) ڈرائے جائیں اس کے ذریعے سے اور تاکہ وہ جان لیں

أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝

کہ صرف وہی (اللہ) معبود ہے ایک ، اور تاکہ نصیحت حاصل کریں عقل والے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخَلَّفًا وَعَدِهِ رُسُلَهُ﴾ ”پس خیال مت کریں کہ اللہ

خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے رسولوں سے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کی نجات اور ان کی سعادت رسولوں کے دشمنوں کی ہلاکت دنیا میں ان کو بے یار و مددگار چھوڑنے اور آخرت میں ان کو سزا دینے کا جو وعدہ کر رکھا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ پس اس وعدے کا پورا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ

صادق القول ہستی کا وعدہ ہے جو اس نے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ سچے لوگوں یعنی اپنے رسولوں کی زبان پر کیا ہے اور یہ مرتبے کے اعتبار سے بلند ترین خبر ہے..... خاص طور پر اس بنا پر بھی کہ یہ حکمت الہی سنت ربانی اور عقل انسانی کے مطابق ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ﴾ ”بے شک اللہ“ اور اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز بے بس نہیں کر سکتی اس لیے کہ

وہ ﴿عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ ”زبردست بدلہ لینے والا ہے۔“ جب وہ کسی سے انتقام لینے کا ارادہ کرتا ہے تو کوئی اس سے بچ سکتا ہے نہ اسے عاجز کر سکتا ہے اور یہ قیامت کے روز ہوگا۔ ﴿يَوْمَ تَبْطُلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمُوتُ﴾

”جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی“، یعنی جس روز زمین اور آسمان کو بدل کر کچھ اور ہی بنا دیا جائے گا یہ تبدیلی ذات کی تبدیلی نہیں بلکہ صفات کی تبدیلی ہوگی کیوں کہ قیامت کے روز زمین کو ہموار کر کے اس طرح پھیلا دیا جائے گا جیسے چمڑے کو پھیلا دیا جاتا ہے رُوئے زمین پر کوئی پہاڑ یا کوئی بلند جگہ نہ ملے گی تمام زمین ہموار اور برابر ہو جائے گی اور تو اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں دیکھے گا اور آسمان اس دن کی دہشت کی وجہ سے پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لے گا۔

﴿وَبَرَزُوا لِلَّهِ﴾ ”اور سب لوگ اللہ کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔“ یعنی قیامت کے روز تمام خلائق

اپنی قبروں سے اٹھ کھڑی ہوگی اور ان میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہ سکے گا ﴿الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ”یکانہ زبردست“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات اپنے اسماء و صفات کی عظمت اور اپنے افعال کی عظمت میں منفرد ہے۔ وہ تمام

کائنات پر غالب ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے دست تصرف اور تدبیر کے تحت ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز حرکت کر سکتی ہے نہ ساکن ہو سکتی ہے۔ ﴿وَتَرَى الْمَجْرِمِينَ﴾ ”اور دیکھے گا تو گناہ گاروں کو“ جن کا

وصف جرم کرنا اور گناہوں کی کثرت ہے ﴿يَوْمَئِذٍ﴾ ”اس روز“ ﴿مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ﴾ ”باہم جکڑے

ہوں گے زنجیروں میں“ یعنی تمام مجرموں کو آگ کی زنجیروں سے باندھ دیا جائے گا اور ذلیل ترین صورت بدترین



ہیئت اور قبیح ترین حالت میں ان کو جہنم کے عذاب کی طرف ہانکا جائے گا۔ ﴿سَرَابِیْطُهُمْ﴾ ”ان کے کرتے“ یعنی ان کے کپڑے ﴿مِنْ قَطْرَانِ﴾ ”گندھک کے ہوں گے“ یعنی وہ انتہائی شدید شعلہ زن آگ سخت حرارت اور جہنم کی بدبو میں ہوں گے۔ ﴿وَتَغْشٰی وُجُوْهُهُمْ﴾ ”اور ان کے چہروں کو لپیٹ لے گی۔“ جو ان کے بدن میں سب سے زیادہ شرف کے حامل ہوں گے ﴿النَّارُ﴾ ”آگ“ یعنی آگ ان کے چہرے کو گھیر لے گی اور ہر جانب سے اس کو جلا ڈالے گی۔ اور چہرے کے علاوہ جسم کے دیگر حصے تو بدرجہ اولیٰ اس آگ میں جلیں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ظلم نہیں ہے بلکہ یہ ان کے اعمال کی جزا ہے جن کا انہوں نے اکتساب کر کے آگے بھیجے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ ”تا کہ اللہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اچھے برے اعمال کا نہایت عدل و انصاف کے ساتھ بدلہ دے جس میں کسی بھی پہلو سے کوئی ظلم نہ ہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ ”بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے“ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾ (الانبیاء: ۱۲۱) ”لوگوں کے حساب کا وقت قریب آ گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ غفلت میں ڈوبے اور منہ موڑے ہوئے ہیں۔“ اس میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ بہت سرعت سے ان کا حساب کتاب ہوگا اور ایک ہی گھڑی میں تمام مخلوق کا حساب کتاب ہو جائے گا جیسے اللہ تعالیٰ آن واحد میں تمام مخلوق کو رزق عطا کرتا ہے اور ان میں مختلف انواع کی تدبیر کرتا ہے۔ کوئی معاملہ اسے کسی دوسرے معاملے سے غافل نہیں کر سکتا اور یہ سب کچھ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس بات کو پوری طرح کھول کھول کر اس قرآن میں بیان کر دیا تو پھر اس کی مدح میں فرمایا ﴿هٰذَا بَلٰغٌ لِلنَّاسِ﴾ ”یہ خبر پہنچا دینی ہے لوگوں کو“ یعنی یہ ان کے لئے کافی ہے وہ اسے زاد راہ بنا کر بلند ترین مقامات پر اور افضل ترین کرامات تک پہنچ سکتے ہیں کیونکہ یہ تمام علوم اور اصول و فروع پر مشتمل ہے جس کے بندے محتاج ہیں ﴿وَلِيُنْذِرُوْا بِهِ﴾ ”اور تا کہ انہیں اس سے ڈرایا جائے“ کیونکہ اس میں برے اعمال اور اس عذاب سے ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے بد اعمال لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔

﴿وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ”اور تا کہ وہ جان لیں کہ معبود صرف وہی ایک ہے“ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر ایسے دلائل اور براہین بیان کئے ہیں جن سے یہ علم حق الیقین بن جاتا ہے ﴿وَلِيَذْكُرُوْا اَلْاَنْبَیَّاءَ﴾ ”اور تا کہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔“ یعنی عقل کامل کے حامل لوگ اس سے نصیحت پکڑیں وہ کام کریں جو ان کے لئے فائدہ مند ہے اور وہ کام چھوڑ دیں جو ان کے لئے نقصان دہ ہے۔ ایسا کرنے سے وہ عقل مند اور اصحاب بصیرت بن جائیں گے۔ اس لئے کہ قرآن کے ذریعے سے ان کے معارف اور آراء صاحبہ میں اضافہ اور ان کے افکار روشن ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قرآن کے تازہ افکار حاصل کئے ہیں قرآن

انہیں بلند ترین اخلاق و اعمال کی طرف دعوت دیتا ہے اور وہ ان پر قوی ترین واضح ترین دلائل سے استدلال کرتا ہے۔ ایک ذہین بندہ مومن جب اس قاعدہ کلیہ کو اپنا لائحہ عمل بنا لیتا ہے تو وہ دائمی طور پر ہر قابل ستائش خصلت میں ترقی کی راہوں پر گامزن رہتا ہے۔

## تفسیر سُوْرَةِ الْحَجْرِ

سُوْرَةُ الْحَجْرِ (۸۲)	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ الحکم کے نام سے (شرعی) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے	آیت ۱ تا ۱۸ ۱۸ آیتیں
----------------------------	-------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------

### الرَّحْفَ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ①

الرَّحْفَ یہ آیتیں ہیں کتاب اور قرآن واضح کی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کتاب کی تعظیم اور مدح بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے ﴿تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ﴾ ”یہ کتاب کی آیات ہیں۔“ یعنی یہ آیات بہترین معانی اور افضل ترین مطالب پر دلالت کرتی ہیں ﴿وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ﴾ ”اور قرآن روشن کی۔“ جو بہترین الفاظ اور اپنے مقصد پر قوی ترین دلائل کے ذریعے سے حقائق کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ مخلوق اس کی اطاعت کرے اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور فرحت و سرور کے ساتھ اس کو قبول کرے۔

